مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۱ | ذی القعدہ ۱۴۴۱ھ | جولائی ۲۰۲۰ء | شمارہ ۶

ترك ما لا يعني

ترکِ غیر مفید

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے
زر سالانہ = /۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ اریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

ترک مالا یعنی
(ترکِ غیر مفید)

لایعنی امور کو ترک اور تعلقات زائد کو کم کرنے کے متعلق یہ وعظ ۱۹ جمادی الاخری یوم جمعہ کو برمکان شیخ رشید احمد صاحب میرٹھ تقریباً دو گھنٹے ہوا۔

اس وعظ میں جن صاحبان نے شرکت کی ان کی تعداد تقریباً ۴۰ کے قریب تھی۔ اس وعظ کو مولانا ظفر احمد عفا اللہ نے قلم بند کیا۔

خلیل احمد تھانوی

ترک مالا یعنی

(ترکِ غیر مفید)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.....	دستور العمل.....	۹
۲.....	وجہ انتخاب مضمون.....	۱۰
۳.....	مضمون کے قابلِ بیان ہونے کی وجہ.....	۱۰
۴.....	علمی غفلت.....	۱۱
۵.....	تعلیم انبیاء.....	۱۲
۶.....	دواء کی ناقدری.....	۱۳
۷.....	سہل علاج کی ناقدری.....	۱۴
۸.....	حاکم اور باپ میں فرق.....	۱۵
۹.....	انبیاء کی شفقت.....	۱۶
۱۰.....	خدا کی شفقت.....	۱۷
۱۱.....	شکر کی اہمیت.....	۱۹
۱۲.....	عربی اور اردو کے معنی کا فرق.....	۲۰
۱۳.....	خدا کی مصلحت وحکمت.....	۲۳

۱۴..... سہل تعلیم اور احکام ۲۵

۱۵..... بے مثال شفقت ۲۶

۱۶..... ظاہری و باطنی اصلاح ۲۷

۱۷..... ہماری بعض گناہوں کو ترک کرنے کی وجہ ۲۸

۱۸..... ہمارا حال ۲۹

۱۹..... اللہ کی ستاری ۲۹

۲۰..... ہمارے باطن کا حال ۳۰

۲۱..... بناوٹی پیروں کا حال ۳۱

۲۲..... ریاء کا علاج ۳۲

۲۳..... حضور قلب کے حصول کا طریقہ ۳۲

۲۴..... حسنِ تدبیر ۳۳

۲۵..... خدا کی ستاری ۳۴

۲۶..... لایعنی امور سے احتیاط ۳۵

۲۷..... امور لایعنی کی تعریف ۳۶

۲۸..... ضروری امور کی تعریف ۳۶

۲۹..... اللہ کے نام کی بے حرمتی ۳۷

۳۰..... تلاوت قرآن پر اجرت کے احکام ۳۸

۳۱..... وظائف میں گفتگو کا حکم ۳۸

۳۲..... کاموں کی اقسام ۳۹

۳۳..... مقام افسوس..... ۴۰

۳۴..... بعض بزرگوں کا حال..... ۴۰

۳۵..... ضرورت اتباع..... ۴۱

۳۶..... فضول باتوں سے پرہیز..... ۴۲

۳۷..... پندنامہ شیخ فریدالدین عطار..... ۴۳

۳۸..... وضوء نماز سے نور پیدا نہ ہونے کی وجہ..... ۴۳

۳۹..... بغل کا چور..... ۴۴

۴۰..... ذکر سے نور پیدا نہ ہونے کی وجہ اور اس کی مثال..... ۴۵

۴۱..... قرب الی اللہ..... ۴۶

۴۲..... مباحات سے اجتناب کی وجہ..... ۴۸

۴۳..... لایعنی امور..... ۴۹

۴۴..... شریعت کی توہین..... ۵۰

۴۵..... لوگوں کی عادت..... ۵۲

۴۶..... مناظرہ کا شوق..... ۵۳

۴۷..... آج کے مناظرے اور سلف کے مناظرے میں فرق.... ۵۵

۴۸..... علماء کی عادت..... ۵۶

۴۹..... فضول سوالات..... ۵۶

۵۰..... فضول سوالات کے جواب میں حکیم الامت کا طرز عمل... ۵۷

۵۱..... اہتمام اصلاح..... ۵۸

۵۲..... فضول اموال کی فکر..... ۵۹
۵۳..... فضول کاموں سے احتراز..... ۵۹
۵۴..... عورتوں کی عادت..... ۶۰
۵۵..... اتباع شیخ..... ۶۱
۵۶..... شیخ کے مباحات سے منع کرنے کی وجہ..... ۶۲
۵۷..... حج نفلی کا حکم..... ۶۳
۵۸..... طریق تسلیم وتفویض..... ۶۵
۵۹..... عدم مہارت فن..... ۶۷
۶۴..... اخبار الجامعہ..... ۷۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارك وسلم اما بعد:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ)(۱)

دستورالعمل

یہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد ہے رسول اللہ ﷺ کا اس میں حضور ﷺ نے ہمارے لیے ایک نہایت نافع دستورالعمل بیان فرمایا ہے جو ایک جامع کلام ہے جس میں دنیا وآخرت دونوں کا انتظام مضمر ہے(۲) اور یہ حضور ﷺ کا معجزہ اور کمال ہے کہ چند لفظوں میں نہایت جامع مضمون آپ ارشاد فرمادیتے ہیں گویا وہ ایک کلی(۳) ہے جس کے تحت میں صدہا ہزارہا جزئیات موجود ہیں اور بس جزئیات کا حکم ایک کلیہ سے معلوم ہوسکتا ہے یوں تو حضور ﷺ نے جس قدر بھی دستورالعمل ارشاد فرمائے ہیں وہ سبھی نافع ہیں حتی کہ اس لیے بعض دفعہ بیان کے وقت سخت حیرانی ہوا کرتی ہے کہ کس بات کو بیان کیا جائے آپ کی ساری ہی باتیں بیان کے قابل ہیں مگر اس کے لیے تو ایک عمر بھی ناکافی ہے اس لیے ایک جلسہ میں ایک ہی مضمون کو اختیار کیا جاتا ہے۔

---

(۱) ''ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو چیز مفید نہ ہو آدمی اس کو ترک کردے''، مجمع الزوائد للہیثمی: ۸/ ۱۸، مسند احمد: ۱/ ۲۰، کنزالعمال: ۳/ ۸۲۹۱ (۲) پوشیدہ (۳) اصول ہے

وجہ انتخاب مضمون

مگر اس اختیار کا معیار ایک امر اجتہادی ہے(۱) جس کی بناء پر متعدد مضامین سے ایک کو ترجیح دے لی جاتی ہے اور معیار ضرورت ہے لیکن ضرورت بھی سب ہی ارشادات کی ہے آپ کا کوئی بھی ارشاد غیر ضروری نہیں مگر زیادہ ضرورت پر نظر کر کے ایک بات کو اختیار کر لیا جاتا ہے اور زیادہ ضرورت کا معیار مخاطبین کی کوئی خاص حالت ہوا کرتی ہے جیسے فن طب میں ایک مرض کے لیے بہت نسخے ہوتے ہیں کہ وہ سب اس مرض کے لیے مفید ہوتے ہیں لیکن طبیب ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دے کر اسی کو تجویز کر دیتا ہے اور اس ترجیح کی وجہ فصول وامزجہ(۲) کا اختلاف ہے کہ ایک نسخہ ایک فصل(۳) کے لیے مناسب ہے دوسرا دوسرے موسم کے لیے اور ایک نسخہ کسی مزاج کے موافق ہے دوسرا کسی اور مزاج کے ان امور خاصہ پر نظر کر کے طبیب کسی ایک نسخہ کو ترجیح دیا کرتا ہے اور اس کا مدار محض معالج کی تشخیص پر ہے اس کے اجتہاد میں جو نسخہ مریض کے مزاج سے زیادہ موافق اس وقت ہوتا ہے وہ اسی کو اختیار کر لیتا ہے یہ ممکن ہے کہ دوسرے طبیب کے نزدیک اس وقت کسی دوسرے نسخہ کو ترجیح ہو کیونکہ اس تشخیص میں مرض کی کیفیت کچھ اور ظاہر ہوئی ہو مگر بہر حال ایک طبیب کو دوسرے پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں، ہر ایک نے اپنے اجتہاد ہی سے ایک ترجیح دی ہے یہی حالت معالجہ باطنیہ(۴) کی ہے کہ اس میں بھی خصوص مواقع کی وجہ سے ایک خاص تدبیر کو اختیار کیا جاتا ہے چنانچہ اس وقت ایک ایسی ہی خاص وجہ سے میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ یہ مضمون باوجود یہ کہ نہایت ضروری ہے مگر اس کی طرف سے غفلت بہت ہو رہی ہے۔

مضمون کے قابلِ بیان ہونے کی وجہ

کسی مضمون کے ضروری ہونے کے مختلف اسباب ہوا کرتے ہیں کبھی ایک مضمون کا بیان کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس پر عمل کرنا شرعاً واجب یا فرض ہے یہ وجہ

(۱) جس کا تعلق سوچ کر کسی ایک کو ترجیح دینا ہے (۲) موسم اور مزاج کا فرق ہے (۳) موسم (۴) روحانی علاج یعنی اصلاح باطن۔

تو بہت سے احکام میں مشترک ہے کبھی اس لیے ضرورت بیان کی ہوتی ہے کہ کسی فرض وواجب پر عمل کرنے میں کوتاہی کی جاتی ہے اور ایک بڑا سبب ضروری ہونے کا یہ ہے کہ ایک چیز شرعاً ضروری ہے مگر اس کی طرف سے بے التفاتی اس درجہ ہے کہ اس کو ضروری نہیں سمجھا جاتا اس لیے اس کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہوتی چنانچہ یہ مضمون جو میں اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں اس کی یہی حالت ہے کہ فی نفسہ وہ بہت ضروری ہے مگر عام طور پر لوگوں کو اس کی ضرورت کا احساس نہیں ہے۔ ترجمہ سے آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ واقعی عموماً اس کو ضروری کوئی نہیں سمجھتا۔ الا ماشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو چیز مفید نہ ہو آدمی اس کو ترک کردے۔ ترجمہ سن کر اکثر لوگوں کو خیال ہوا ہوگا کہ اس میں کون سی ضرورت کی بات ہے نہ اس میں کسی ثواب کا ذکر ہے نہ عذاب کا نہ وعدہ ہے نہ وعید ہے نہ کسی کام کے کرنے کا حکم ہے حالانکہ آئندہ آپ کو اس کا ضروری ہونا معلوم ہوجائے گا اور اس وقت آپ کو اندازہ ہوگا کہ اتنی ضروری بات سے ہم لوگ کس قدر غافل ہیں۔

علمی غفلت

صاحبو! عملی غفلت سے علمی غفلت زیادہ اشد ہے کیونکہ جس کام کو انسان ضروری سمجھتا ہے اور عمل کرنے میں سستی کرتا ہو وہاں تو یہ امید ہوسکتی ہے کہ اگر کسی وقت اس کے ضروری ہونے پر توجہ ہوگئی تو فوراً عمل شروع کردے گا اور علمی غفلت میں یہ امید بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ جب اس کو ضروری ہی نہیں سمجھا جاتا تو ضرورت پر توجہ کیوں کر ہوگی بلکہ عجب نہیں کہ اگر کوئی شخص کبھی اس کام کی ضرورت بیان کرے تو سننے والوں کو اس سے وحشت ہو اور یوں کہیں کہ یہ تو بالکل نئی بات ہے، آج تک کسی نے بھی اس کو ضروری نہ کہا تھا، یہ بات تو ہم نے کبھی نہیں سنی، پس علمی غفلت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ متنبہ کرنے سے بھی بعض دفعہ تنبہ نہیں ہوتا ہے اس لیے علمی غفلت کا دور کرنا عملی غفلت کی اصلاح سے مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات نماز کا بیان نہیں کیا جاتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ ضروری فرض ہے اور اس سے غفلت بھی بہت کی جارہی ہے اور دوسرا

مضمون بیان کے لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ نماز سے تو محض عملی غفلت ہے علمی غفلت نہیں ہر مسلمان نماز کی ضرورت کو جانتا اور تسلیم کرتا ہے لیکن اس دوسری بات کو لوگ ضروری نہیں سمجھتے عمل تو کیا ہی کرتے اس لیے طبیب روحانی اس دوسری بات کو بیان کرتا ہے تاکہ لوگوں کے عقائد کی تو اصلاح ہوجائے اور وہ گو اس پر عمل نہ کریں تو اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ عملی غفلت سے صرف عمل میں نقصان آتا ہے اور علمی غفلت سے عقائد وخیالات میں۔ اور ظاہر ہے کہ عقائد وخیالات کی اصلاح عملی اصلاح سے مقدم ہے۔ علمی غفلت کا تدارک (۱) بہت دیر سے ہوتا ہے اور اگر چندے اس کی ضرورت کو بیان نہ کیا جائے تو پھر ذہن میں ڈالنے سے بھی اس پر توجہ نہیں ہوتی بلکہ اس کے سننے ہی سے وحشت اور تعجب ہونے لگتا ہے۔ جیسا کہ اکثر سامعین نے اس حدیث کا ترجمہ سن کر یہ خیال کیا ہوگا کہ اس میں تو کوئی ضروری بات نہیں بلکہ محض ایک معمولی بات ہے کہ جو چیز مفید نہ ہو اس کو ترک کردینا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں ان میں سے بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں یہی تو بڑی خوبی ہے کہ وہ بڑے بڑے مہلک امراض کا علاج نہایت سہل اور معمولی باتوں (۲) میں کردیتے ہیں جنہیں دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو کچھ علاج نہیں محض ایک معمولی بات ہے لیکن اس پر عمل کرنے سے اس کا فائدہ عظیمہ جب معلوم ہوتا ہے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی قدر ہوتی ہے اور بے ساختہ کہتا ہے:

جزاک اللہ چشمم باز کردی مرابا جانجاں ہمراز کردی (۳)

تعلیم انبیاء

انبیاء کی تعلیم ایسی ہوتی ہے جیسے بعض اطباء جڑی بوٹیوں سے علاج کیا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ طبیب بڑا ماہر ہے جو ایک معمولی گھاس سے بڑے سے بڑے مرض کا علاج کردے مگر اس کی قدر وہی کرسکتا ہے جو اس کے علاج پر ایک دفعہ عمل

(۱) علمی غفلت کی روک تھام (۲) بہت آسانی سے اور چھوٹی سی بات سے کردیتے ہیں (۳) ''اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھ کو محبوب حقیقی کا ہمراز کردیا''۔

کر کے اس کے فائدہ کا مشاہدہ کر چکا ہو ورنہ ظاہر ہے لوگ تو یہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی کوئی علاج ہے جس میں جنگل کی گھاس ہی بتلادی جو ایک پیسہ کو بھی نہیں پوچھی جاتی مگر حقیقت میں فن دانی اسی کا نام ہے کہ ہلدی لگے نہ پھٹکڑی اور کام جلدی ہوجائے۔ ہمارے استاد علیہ الرحمۃ (مولانا محمد یعقوب) صاحبؒ اکثر جڑی بوٹیوں سے علاج بتلادیا کرتے تھے۔ مولانا علمِ طلب میں بھی بڑے ماہر تھے اور آپ کے نسخہ میں زیادہ تر اجزاء نہ ہوتی تھی اکثر تو مفردات بتلادیا کرتے تھے ورنہ دو یا تین سے زیادہ اجزاء نہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک رئیس کو یہ دوا بتلائی کہ جامن کی کونپلوں کو سیاہ مرچوں میں پیس کر استعمال کریں یہ واقعہ تو میں نے ناتمام سنا ہے یہ معلوم نہیں کہ ان حضرات نے اس کو استعمال کیا یا نہیں۔

دواء کی ناقدری

دوسرا واقعہ مکمل سنا ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ مولانا انبہٹہ تشریف لے گئے، مولانا کی دوسری شادی انبہٹہ ہی میں ہوئی تھی اس لیے وہاں جانا آنا رہتا تھا، ایک رئیس کو وہاں معدہ کا کچھ مرض تھا جس کے علاج انہوں نے بہت کیے تھے مگر کسی علاج سے نفع نہ ہوا۔ جب مولانا وہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے حضرت سے بھی رجوع کیا، مولانا نے ان کو یہ دوا بتلائی کہ اکاس بیل کو دودھ میں پکا کر استعمال کریں چونکہ ایک معمولی دوا تھی جس میں ایک پیسہ بھی خرچ نہ تھا کیونکہ اکاس بیل (۱) خودرو بہت ملتی ہے اس لیے اس رئیس کو اس کی قدر نہ ہوئی۔

وہ یہ سمجھے کہ میرے مرض کے لیے تو ایسے نسخے کی ضرورت ہے جس میں بہت سے روپے خرچ ہوں اس معمولی دوائی سے مجھے کیا آرام ہوگا۔ مولانا کو بھی آثار سے معلوم ہوگیا کہ اس شخص نے میرے نسخے کی قدر نہیں کی، فرمایا اس کو معمولی نہ سمجھو تمہارے مرض کی یہی ایک دوا ہے کہ اس کو استعمال کر کے دیکھو مگر اس نے پھر بھی توجہ نہ کی، جب مریض کو طبیب پر اعتماد نہ ہو تو اس کی جوتی کو غرض پڑی ہے کہ اس کی خوشامد کرے پھر مولانا کو کون سی فیس ملتی ہے جو وہ خوشامد کرتے۔ مولانا بھی خاموش ہورہے۔

(۱) پیلی سے باڑ میں خودرو پیدا ہوتی ہے

اتفاق سے اس محلہ کی مسجد میں ایک نابینا ملاجی مؤذن تھے جن کی بزرگی کے لوگ معتقد تھے انہوں نے صبح کو اس رئیس کے روبرو خواب بیان کیا کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا اور دریافت کیا کہ حضرت اس مرض کے لیے کوئی دوا بتلادیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی صرف ایک دوا ہے اور وہی دوا بتلائی جو حضرت مولانا نے بتلائی تھی۔ یہ خواب مولانا سے بیان کیا گیا مولانا نے پوچھا کہ حافظ جی دیکھو میں ہی تو نہ تھا تو حافظ جی کیا کہتے ہیں ہاں حضرت آواز تو ایسی ہی تھی۔ مولانا نے فرمایا بھائی جب تم نے جاگتے میں میرا کہنا نہ مانا، آخر میں نے سوتے میں بتلادیا۔ تو دیکھئے مولانا کے ارشاد کی قدر اسی لیے نہ ہوئی کہ بظاہر وہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی تھی پس آج کل کچھ مذاق ایسا بدل گیا کہ معمولی اور آسان باتوں کی قدر نہیں ہوتی۔ نہ ایسی باتوں کو ضروری سمجھتے ہیں بس اسی بات کی قدر ہوتی ہے جس میں مصیبت جھیلنا پڑے۔

سہل علاج کی ناقدری

چنانچہ مشائخ میں سے بھی لوگ اسی شیخ کی قدر کرتے ہیں جو مجاہدات زیادہ بتلائے کہ تہجد کبھی قضا نہ ہو، چھ مہینے تک چلہ میں رہو، کسی سے نہ ملو چاہے اس کم بخت کی تمام ضروریات کا پڑا ہوجائے مگر شیخ کو اس کی پروانہ ہو تب تو وہ شیخ ہے۔ اور اگر کوئی یہ بتلادے کہ بھائی رات کو آنکھ نہ کھلے تو عشاء کے بعد تہجد پڑھ لیا کرو اور اگر تنہائی کا موقع نہ ملے تو چلتے پھرتے ہی وظیفہ پورا کرلیا کرو۔ اس کی بہت کم قدر ہوتی ہے یوں سمجھتے ہیں کہ اس شیخ کے یہاں تو کوئی نئی بات نہیں سب معمولی باتیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ہنستے کھیلتے گھر بس جائے تو یہ کمال کی بات ہے یا نقصان کی اگر دو پیسے کی جڑی بوٹی میں سالہا سال کا روگ جاتا رہے جو دوسرے اطباء کے صدہا روپے کی نسخوں میں بھی نہ گیا تھا تو یہ طبیب کا کمال ہے یا عیب! مگر جب لوگوں کا مذاق ہی بگڑ جائے تو اس کا کیا علاج وہی مثل ہے کہ اندھے کے آگے روئے اپنی آنکھیں کھوئے۔ غرض انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا یہی حال ہے کہ وہ جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں ان کی باتیں ظاہر میں معمولی ہی معلوم ہوتی ہیں مگر ان کا فائدہ بہت بڑا ہوتا ہے اور اس سہل تعلیم کی بنا وفور شفقت ہے (۱)۔ انبیاء علیہم السلام کو

(۱) شفقت کی زیادتی

اپنی امت سے محبت اور ان کے حال پر شفقت بہت ہوتی ہے اس لیے ان کی تعلیم نہایت آسان ہوتی ہے۔

حاکم اور باپ میں فرق

جیسے باپ اپنے بیٹے کو تعلیم دیا کرتا ہے دیکھئے ایک تعلق تو حاکم کو اپنی رعایا سے ہوتا ہے اور ایک تعلق باپ کو اولاد سے ہوتا ہے کیا دونوں تعلق یکساں ہیں ہرگز نہیں حاکم بوجہ حکومت کے بے تکلف فرمائش کر دیتا ہے کہ فلاں کام کرو، فلاں کام مت کرو، اس کو حاکم ہونے کی حیثیت سے اس کی پروا نہیں ہوتی کہ رعایا کو اس کام کرنے میں مشقت ہوگی یا سہولت، نہ وہ اس کی فکر کرتا ہے کہ اس کام کے آسان ہونے کا طریقہ رعایا کو بتلادے کیونکہ حاکم ہونے کے مقتضی ہی نہیں، اس کو تو حکم دے دینا آتا ہے اگر کسی نے اس کی تعمیل کی فبہا(۱) ورنہ خلاف ورزی قانون کی تو دفعہ قائم کر کے اس پر جرمانہ یا سزا کر دے گا۔ تو بات کیا ہے بات صرف یہ ہے کہ حاکم کو اس کی فکر نہیں ہوتی کہ جو کچھ میں حکم دے رہا ہوں رعایا اس پر عمل کر ہی لے بلکہ بعض دفعہ کسی شخص کو زیادہ ملزم بنانے کے لیے اور اس پر حجت قائم کرنے کے لیے اس کا قصد کیا کرتا ہے کہ یہ شخص اس حکم پر عمل نہ کرے تو اچھا ہے تا کہ میں اس کو سزا دے سکوں اس صورت میں وہ قصداً ایسا سخت حکم دیتا ہے جو اس سے ہو ہی نہ سکے لیکن باپ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ بے تکلف بیٹے کو جو چاہے حکم دے دے خواہ وہ اس سے ہو سکے یا نہ ہو سکے، ہرگز نہیں بلکہ باپ جو حکم دینا چاہے گا اول اس کے کہنے کے لیے وقت ایسا تجویز کرے گا جب بیٹے کو فرصت ہو، باپ کا کام بتلانا اسے ناگوار نہ ہو، پھر وہ جو کچھ کہے گا، بیٹے کی ہمت کے موافق کہے گا اور اس کے بعد بھی اس سے یہ کہہ دے گا کہ اس کام کو اس طریقہ سے کرنا ہے اس میں سہولت ہوگی اور پھر خود بھی اس میں اعانت کرے گا، بیٹے کا ہاتھ بٹادے گا، اس کی وجہ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ چاہتا یہ ہے کہ بیٹا اس کام کو کرے اس میں اس کا نفع ہے۔ باپ ایک کام بتلا کر یہ نہیں چاہتا کہ بیٹا اس کام کو نہ کرے تو اچھا ہے تا کہ میں

(۱) تو ٹھیک ہے۔

اس کو خوب مار سکوں۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ حاکم اور باپ میں کتنا فرق ہے۔

انبیاء کی شفقت

تو انبیاء علیہم السلام کو اُمت سے حاکمانہ تعلق نہیں ہوتا بلکہ ان کو ایسا تعلق ہوتا ہے جیسا باپ کو اولاد سے ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ باپ کو اولاد سے محبت وشفقت محض اس لیے ہے کہ اولاد کا جسم باپ کے ذریعے سے پرورش پاتا ہے لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اُمت کی ارواح کو پرورش کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جسمانی تربیت سے روحانی تربیت بڑھی ہوئی ہے اور جو لوگ روحانی تربیت کرنے والے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ بعض دفعہ شیخ کو کسی مرید سے ایسا تعلق ہوتا ہے کہ اپنی اولاد سے بھی ویسا تعلق نہیں ہوتا اور اسی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بعض مریدین کو شیخ سے ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ باپ سے اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے، گو آج کل اس تعلق میں بہت کمی ہوگئی ہے کیونکہ آج کل آزادی کا زمانہ ہے ہر شخص آزاد ہو گیا ہے اس آزادی کا اثر اس طبقہ میں بھی کسی قدر ہو چلا ہے مگر تاہم اس میں شک نہیں کہ روحانی تربیت میں بھی مربی کو وہی شفقت ہوتی ہے جو جسمانی تربیت کی وجہ سے باپ کو ہوتی ہے بلکہ روحانی مربی کو اس سے بھی زیادہ شفقت ہوتی ہے باپ جو کام کرتا ہے وہ تو حیوانات بھی کرتے ہیں وہ بھی اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں ان کو بھی اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے لیکن روحانی مربی وہ کام کرتا ہے جو کسی باپ سے نہیں ہوسکتا کہ وہ انسان کی روح کو خدا تعالیٰ سے ملا دیتا ہے اس کو عارف وواصل بنا دیتا ہے پھر اس پاکیزہ تربیت میں طرفین سے جس قدر بھی تعلق ہو تھوڑا ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام عموماً اپنی اُمت پر بہت زیادہ شفیق ہوتے ہیں پھر ان میں سے بھی بالخصوص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ آپ کو تو اپنی اُمت سے بہت ہی تعلق تھا، بخدا آپ سے زیادہ کوئی بھی شفیق نہیں۔ البتہ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں پر آپ سے بھی زیادہ شفقت ہے بلکہ خود حضرات انبیاء علیہم السلام کی شفقت اسی شفقت الٰہیہ کا ظل ہے (۱) یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تعلیم نہایت سہل ہے (۲) اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم بھی اسی واسطے سہل ہے کہ ان میں شفقت

(۱) پرتو (۲) آسان

خداوندی کی جھلک موجود ہے۔

خدا کی شفقت

دیکھئے ایک جگہ حق تعالیٰ کو اعمال صالحہ کا امر(۱) فرمانا منظور تھا مگر اس کو کس شفقت کے عنوان سے شروع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (۲)

مقصود تو اشْكُرُوا لِلَّهِ تھا اور شکر سے مراد عبادت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ اس کی عبادت کی جائے مگر اس حکم سے پہلے فرماتے ہیں: كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ یعنی اے مسلمانو! ہم نے تم کو جو کچھ پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان کو کھاؤ پیو۔ اس کے بعد فرماتے ہیں وَاشْكُرُوا لِلَّهِ یعنی اور ان نعمتوں کو کھا پی کر خدا کا شکر بھی کیا کرو۔ تو دیکھئے بلاتشبیہ یہ ایسی ہی صورت ہے جیسے باپ کو یہ منظور ہو کہ بیٹے کا سبق سنے تو وہ اس کو بلا کر کہتا ہے کہ آؤ بیٹا یہ لڈو مٹھائی کھالو۔ ہم تمہارے واسطے لائے ہیں پھر مٹائی دے کر کہتا ہے کہ اچھا سبق تو سنادو ہم تمہیں پھر بھی مٹھائی دیں گے۔ وہی صورت یہاں ہے کہ پہلے تو پاکیزہ نعمتوں کے کھانے کا حکم فرمایا پھر عبادت کا حکم فرمایا اور عبادت پر پھر بھی مٹھائی دینے کا وعدہ ہے وہ کیا شفقت ہے سبحان اللہ اس شفقت کی بھی کچھ انتہا ہے باپ کو تو بیٹے کے سبق سنانے سے کچھ اپنی غرض بھی مدنظر ہوتی ہے وہ یہ امید کرتا ہے کہ لڑکا لائق فائق ہوجائے گا تو کچھ کمانے لگے گا اور بڑھاپے میں میرے کام آئے گا، میری خدمت کرے گا مگر حق تعالیٰ کو ہماری عبادت سے کچھ بھی غرض نہیں، عبادت کا جو نفع ہے ہم کو ہی ہے اور اگر عبادت نہ کریں تو نقصان بھی ہمارا ہے۔ تمام مخلوق اگر عابد زاہد ہوجائے تو خدا کی سلطنت وعظمت میں اس سے کچھ زیادتی نہ ہوتی اور اگر سارے سرکش ہوجائیں اس کی عظمت میں کچھ کمی نہیں آتی۔

---

(۱) نیک اعمال کا حکم کرنا تھا (۲) ''اے ایمان والو! ہم نے تم کو جو کچھ پاکیزہ چیزیں دی ہیں ان کو کھاؤ اور کھا پی کر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی کیا کرو، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو'' سورۃ البقرہ: ۱۷۲۔

پس حق تعالیٰ کو انسان کے ساتھ جس قدر شفقت ہے وہ محض بے غرض ہے پھر حق تعالیٰ حاکم بھی ہیں حاکم ہونے کی حیثیت سے ان کو اس کی کیا ضرورت تھی کہ اس طرح چمکار کر پھسلا کر حکم دیں۔ اگر وہ حاکمانہ طریقہ پر حکم دیتے کہ ہماری عبادت کرو ورنہ تم کو جیل خانے بھیج دیا جائے گا تو اس سے ان کو کون چیز مانع تھی، پھر حاکم بھی ایسے نہیں جیسے دنیا کے حکام ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ سلاطین دنیا کو رعایا سے دبنا پڑتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس عالم میں ہر شخص محتاج ہے۔ سلاطین اپنی سلطنت کی بقاء میں رعایت کے محتاج ہیں کہ اگر رعایا آمادہ بغاوت ہوجائے تو ان کی سلطنت کا خاتمہ ہوجاتا ہے کہ ایک ذرہ ان کی مشیت (۱) کے بغیر نہیں مل سکتا اور اگر تمام عالم آمادہ بغاوت ہوجائے تو وہ ایک دم میں سب کو ہلاک کر کے دوسری مخلوق کو پیدا کرسکتا ہے اور اس کو اس کی بھی ضرورت نہیں وہ اگر چاہے تو کسی کی مجال نہیں کہ سرکشی کرسکے چنانچہ ملائکہ کی یہی شان ہے کہ وہ کسی وقت سرکشی نہیں کرسکتے اس نے بعض حکمتوں کی وجہ سے انسانوں کو نافرمانی اور اطاعت دونوں کا اختیار اور قدرت دے دی ہے اگر وہ چاہے تو اس قدرت کو سلب کرسکتا ہے (۲) اور سارے ہی سرکش ہوجائیں تو ملائکہ انسان سے بہت زیادہ ہیں، وہ اس کی اطاعت بجالاتے ہیں اور اگر کوئی بھی مطیع نہ ہو تب بھی اس کا کچھ ضرر نہیں اس کے تمام کمالات ذاتی ہیں کسی کی اطاعت ونافرمانی کا اس پر کچھ بھی اثر نہیں۔ پس حق تعالیٰ ایسے غنی ہیں کہ ان سے زیادہ غنی نہیں مگر باوجود اس غناء کے اس درجہ شفقت ہے کہ باپ ماں کو بھی اولاد سے وہ شفقت نہیں جو حق تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے ہے کیونکہ باپ کو اولاد سے اضطراری (۳) شفقت ومحبت ہے اور حق تعالیٰ اضطرار سے پاک ہے اس کو جو شفقت ورحمت ہے محض اختیاری ہے وہ خود چاہتے ہیں کہ مخلوق پر شفقت کریں اور باپ ماں کے چاہنے میں ان کے اختیار کو کچھ بھی دخل نہیں، وہ مجبور ہوکر شفقت کرتے ہیں پس ایسے غناء کامل کے ساتھ ایسی کامل شفقت عجائب میں سے ہے۔

(۱) مرضی (۲) ختم کرسکتا ہے (۳) غیر اختیاری۔

شکر کی اہمیت

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا(۱) یعنی حق تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا کریں گے اگر تم خدا کا شکر کرو اور ایمان لے آؤ (یعنی ایمان کامل اختیار کرو) سبحان اللہ اس آیت میں یہ لفظ ''مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ'' (حق تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا کریں گے اس قابل ہے کہ اس پر جان قربان کر دی جائے۔ فرماتے ہیں کہ ہم کو تمہارے عذاب کرنے میں کیا نفع ہے ہم تو تم پر رحمت ہی کرنا چاہتے ہیں مگر تم نافرمانی کر کے خود ہی عذاب کو مول لیتے ہو تو اس عنوان سے کس درجہ شفقت ٹپکتی ہے یہاں ایک ضروری تنبیہ بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ بعض لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ حق تعالیٰ کو مخلوق سے بے پروا کے معنی بے توجہ سمجھتے ہیں اور اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ ان لوگوں نے غناء کا مطلب غلط سمجھا۔ اس میں تو شک نہیں کہ غناء حق تعالیٰ کی صفت یقیناً ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں: فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (۲) وَتَوَلَّوا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ (۳) لیکن لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ ان آیات میں مستغنی کے معنی وہ مراد لیتے ہیں جو ہمارے محاورہ میں مستعمل ہیں کہ ہمارے محاورہ میں مستغنی اس کو بھی کہتے ہیں جو دوسروں سے بالکل بے پرواہ ہو کسی کے نفع نقصان کی اسے رعایت نہ ہو حالانکہ مستغنی کے معنی آیات میں صرف یہ ہیں کہ حق تعالیٰ کو کسی کی احتیاج نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ پس محتاج نہ ہونا اور بات ہے اور بے پرواہ ہونا اور رعایت مصالح نہ کرنا دوسری بات ہے۔ غناء جو حق تعالیٰ کی صفت ہے اس کے معنی عدم احتیاج کے ہیں اور یہاں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ آج کل جو لوگ محض ترجمے دیکھ محقق بن جاتے ہیں وہ کیسا ستم ڈھاتے ہیں پھر غضب یہ کہ یہ لوگ ترجمے دیکھ کر محققین سے مزاحمت کرتے ہیں اور معارضہ میں کہتے ہیں کہ صاحب مشارق الانوار میں تو یہ لکھا ہے، مظاہر حق میں یہ لکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں وہی لکھا ہے جو محقق بیان کرتا ہے

(۱) سورۃ النساء: ۱۴۷ (۲) ''یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہاں والوں سے بے پرواہ ہے'' سورۃ آل عمران: ۹۷
(۳) ''اور انہوں نے اعراض کیا اور خدا نے بھی کچھ پرواہ نہ کی'' سورۃ التغابن: ۶

مگر تم ترجمہ دیکھ کر اس کی حقیقت کو نہیں سمجھے بس اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کتابیں دیکھ دیکھ کر طبیب حاذق کے نسخوں میں مزاحمت کرنے لگے اس کو یہی جواب دیا گیا کہ تم نے صرف کتابیں دیکھی ہیں مگر فن کی حقیقت تم کو معلوم نہیں اس لیے طبیب کی رائے میں تم کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ اس طرح جو لوگ محض ترجمے پڑھ کر محققین سے مزاحمت (۱) کرتے ہیں وہ بھی اسی جواب کے مستحق ہیں چنانچہ ان لوگوں نے غنی عن العالمین اور واستغنی اللہ کا ترجمہ دیکھ کر اتنی بات سمجھی کہ حق تعالیٰ مستغنی ہیں مگر اسکی حقیقت ان کو معلوم نہیں ہوئی وہ یہ سمجھے کہ جس طرح ہمارے محاورہ میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت ہی آزاد اور مستغنی المزاج ہے یعنی کسی کے نفع نقصان کی پرواہ نہیں کرتا۔ یہی معنی خدا کے مستغنی ہونے کے بھی ہیں حالانکہ یہ معنی دوسری نصوص کے اور نیز دلائل عقلیہ کے بالکل خلاف ہیں۔ اگر مستغنی ہونے کے یہ معنی ہیں تو ان نصوص کا کیا مطلب ہے جن میں حق تعالیٰ کی شفقت ورحمت کا ذکر ہے کہ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں پر ایسی شفقت ہے کہ ماں باپ کو بھی اولاد پر ایسی شفقت نہیں ہوسکتی۔ تو یہ خرابی کا ہے کی ہے یہ خرابی اس کی ہے کہ ان لوگوں نے لفظ تو عربی لیا اور معنی اردو محاورہ کے موافق لیے حالانکہ ہر لفظ کے معنی اسی زبان کے موافق کرنے چاہئیں جس زبان کا وہ لفظ ہے۔

عربی اور اردو کے معنی کا فرق

مگر آج کل بکثرت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ ''وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ'' (۲) سے بعض لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے بھی مکر کیا اور خدا نے بھی مکر کیا اور خدا سب سے بہتر مکر کرنے والا ہے۔ اشکال کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو اس سے خدا کا (نعوذ باللہ) مکار ہونا لازم آتا ہے۔ تو منشاء اس اشکال کا صرف یہی ہے کہ انہوں نے عربی لفظ کا ترجمہ اردو محاورہ کے موافق کیا اردو میں مکر کرنا فریب دینے کو کہتے ہیں جو کہ عیب کی صفت ہے اگر یہ لوگ

(۱) جھگڑتے ہیں (۲) ''اور انہوں نے مخفی تدبیر کی اور حق تعالیٰ نے بھی مخفی تدبیر کی، اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے'' سورۃ آلِ عمران: ۵۴

اس عربی کے لفظ کا ترجمہ محاورہ عربیہ کے موافق کرتے تو اشکال کچھ بھی نہ تھا عربی میں مکر کے معنی تدبیر خفی کے بھی آتے ہیں اور تدبیر خفی کرنا یہ عیب نہیں بلکہ صفت کمال ہے۔ ترجمہ آیت کا یہ ہوا کہ کافروں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے مخفی تدبیر کی اور حق تعالیٰ نے ان کو بچانے کے واسطے مخفی تدبیر کی اور حق تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں میں بہتر ہے کہ کسی کی تدبیر اس کی تدبیر پر غالب نہیں آسکتی۔ اس ترجمہ کے بعد کچھ بھی اشکال نہیں۔ اس طرح ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے مجھ کو کچھ پوچھنا ہے مگر اول اس آیت کا ترجمہ کردو ''وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَى ''میں نے کہا کہ اس کا ترجمہ یہ ہے اور پایا خدا نے آپ کو ناواقف، پس واقف بنادیا سن کر میرے منہ دیکھنے لگے، میں نے کہا جو پوچھنا ہو پوچھئے، کہنے لگے اب تو کچھ بھی نہیں رہا، میں نے کہا کہ کیا آپ مجھ سے یہ امید کرتے ہیں کہ میں اس جگہ ضَآلًّا کا ترجمہ گمراہ سے کروں گا، بعض تراجم میں گمراہ سے ترجمہ کیا ہے جس سے لوگوں کو اشکال پڑ جاتا ہے لیکن ان حضرات پر کوئی الزام نہیں ہے ممکن ہے اس وقت گمراہ کے معنی ناواقف بھی مستعمل ہوتے ہیں جیسا کہ عربی میں ضلالت کے معنی غیبت اور فقدان کے بھی آتے ہیں چنانچہ کھوئی ہوئی چیز کو ضالہ کہتے ہیں جس کے معنی مفقود الخبر (۱) کے ہیں اسی طرح ضال کا اطلاق فاقد الخبر (۲) پر بھی آتا ہے جس کا ترجمہ ناواقف ہے لیکن اب فارسی واردو کا محاورہ بدل گیا اب گمراہ سے کہتے ہیں جو باوجود راستہ جاننے کے ٹیڑھے راستہ پر چلے، آج کل بے خبر اور ناواقف کو گمراہ نہیں کہتے اس لیے اب گمراہ سے ترجمہ کرنا صحیح نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت سے پہلے بعض علوم سے ناواقف ہونا کچھ عیب نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ جو علوم نبوت کے بعد آپ کو عطا ہوئے نبوت سے پہلے آپ ان سے ناواقف تھے اگرچہ اس وقت بھی دنیا بھر کے عقلاء سے زیادہ آپ واقف کار تھے لیکن علوم قرآن واحکام سے تو خبردار نہ تھے یہ تو علم نبوت کے بعد ہی آپ کو حاصل ہوا۔ اسی کو حق تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ

(۱) جس کی خبر نہ ہو (۲) جس کو خبر نہ ہو

أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاء مِنْ عِبَادِنَا وَ إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۱) ۔ پس ''وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى ''میں ضال کے معنی وہی ہیں جو اس آیت ''مَا كُنتَ تَدْرِي الخ'' سے معلوم ہوتا ہے یعنی خدا کی تعلیم و ہدایت سے پہلے آپ ان علوم سے بے خبر تھے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی نقص نہیں بلکہ عین کمال ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے بتلانے سے پہلے انبیاء کو کچھ معلوم نہیں ہوسکتا نہ ان کے پاس کمالات بدون اعطاء الٰہی کے ہوتے ہیں گو ہم کو ایسا کہنا زیبا نہیں دیتا کہ انبیاء کے پاس کچھ کمالات نہ تھے کیونکہ اس سے ایہام (۲) بے ادبی کا ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ کے ذمہ تو حضور کا ادب لازم نہیں آپ تمام عالم کے سردار اور سب سے افضل ہیں مگر حق تعالیٰ کے تو بندے ہی ہیں اس لیے حق تعالیٰ آپ کو ناواقف اور بے خبر جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ تو دیکھئے ان مسائل کی حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ''وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى '' میں اشکال پڑا کیونکہ اس نے ترجمہ میں گمراہ کا لفظ دیکھا اور اس سے وہ معنی سمجھا جو آج کل کے محاورہ میں گمراہ کے معنی ہیں اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ ترجمہ عوام کو خود نہ دیکھنا چاہیے بلکہ علماء سے پڑھنا چاہیے ورنہ ایسے ایسے اشکالات ترجمہ دیکھنے سے پیدا ہوں گے جن کا جواب عوام کے ذہن میں نہ آئے گا چنانچہ قرآن میں حق تعالیٰ کی صفت استغناء کو دیکھ کر بعض لوگ یہی سمجھے کہ حق تعالیٰ ایسے مستغنی ہیں جیسے ہمارے محاورہ میں کسی کو مستغنی کہا

(۱) ''اور کسی بشر کی (بحالت موجودہ) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمادے مگر تین طریق سے یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتہ کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچادیتا ہے۔ بیشک وہ بڑا بلند شان بڑی حکمت والا ہے۔ اسی طرح (یعنی اسی قاعدہ کے موافق ہم نے آپ کے پاس (بھی) وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے (اور اس کے قبل آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان و معرفت کا اعلیٰ درجہ جو کہ اب آپ کو حاصل ہے وہ) کیا چیز ہے (گو نفس ایمان ہر نبی کو ہر وقت نبوت سے پہلے بھی حاصل ہوتا ہے) لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ آپ (اس قرآن اور وحی کے ذریعے سے عام لوگوں کو) ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کرتے ہیں'' سورۃ الشوریٰ: ۵۱۔۵۲ (۲) بے ادبی مترشح ہے۔

کرتے ہیں حالانکہ استغناء کے معنی عربی میں یہ ہیں کہ اس کو کسی کی حاجت نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور ہمارے محاورہ میں مستغنی اسے بھی کہتے ہیں جسے کسی کے نفع وضرر کی پروانہ ہو اب لوگ غضب کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو بایں معنی بھی غنی سمجھتے ہیں چنانچہ ایسے مقام پر اس صفت کو استعمال کرتے ہیں جہاں سوا اس کے اور کچھ معنی ہو ہی نہیں سکتے۔

خدا کی مصلحت وحکمت

مثلاً کوئی ایک شخص جوانی کی حالت میں مرجاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاتا ہے اب لوگ اس کی تعزیت میں جاتے ہیں ایک کہتا ہے کہ ہائے جوان موت مرگیا ابھی اس نے دنیا میں دیکھا ہی کیا تھا۔ دوسرے صاحب بولے کہ واقعی بہت ہی بے وقت موت آئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کی تعلیم وتربیت کا کون انتظام کرے گا۔ زمینداری یا ریاست کو کون دیکھے بھالے گا، اس کے بعد تیسرا کہتا ہے کہ ارے بھائی خدا کی ذات بڑی بے پرواہ ہے وہ بڑا مستغنی ہے اب ایسے موقع پر اس کلام کے معنی سوا اس کے اور کیا ہیں کہ (نعوذ باللہ) خدا کو کسی نفع وضرر کی پرواہ نہیں کسی کی مصلحت وحکمت پر نظر نہیں بس شاہ اودھ کی طرح بے وجہ حکم دیدیا کہ فلاں شخص کو مار ڈالو، توپ خانہ لگاؤ، مارشل لاء جاری کردو نہ اس کی بیوی کا خیال ہے نہ بچوں پر رحم ہے (نعوذ باللہ منہ) واللہ میرا تو اس سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے یہ سخت بے ادبی کا کلمہ ہے مگر لوگوں کو ذرا اس پر توجہ نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ صاحبو! خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ سے زیادہ کوئی رحیم وکریم نہیں ان کی برابر کسی کو شفقت نہیں ہوسکتی۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے ایک حصہ تو اس نے دنیا میں ظاہر کیا جس کا یہ اثر ہے کہ باپ ماں کو اولاد سے دوست کو دوست سے جانوروں کو اپنے بچوں سے محبت وشفقت ہوتی ہے اور ننانوے حصے خدا تعالیٰ کے پاس ہیں کہ ان میں مخلوق کو حصہ نہیں دیا گیا اب آپ غور کریں کہ جس رحمت کے ایک حصہ کا یہ اثر ہے جو دنیا میں ہم سب کو نظر آرہا ہے کہ باپ ماں اس کی وجہ سے بچے کی تکلیف کو نہیں دیکھ سکتے تو خدا تعالیٰ کی رحمت وشفقت کا کیا ٹھکانہ ہے جس کی رحمت سے اس کو وہ نسبت ہے جو سو سے ایک کو۔ حدیث میں آتا ہے

کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ ننانوے حصوں کے ساتھ اس ایک حصہ کو شامل کر کے سو حصہ میں رحمت سے مسلمانوں کے ساتھ پیش آئیں گے بخدا اس وقت ہم اس رحمت کا اندازہ ہرگز نہیں کر سکتے یہ تو آخرت کی رحمت کا حال ہے رہی دنیا میں حق تعالیٰ کی رحمت سو اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ دنیا میں جس کسی کے اندر رحمت کا کچھ اثر ہے یہ خدا کی رحمت کے اس ایک حصہ کا ظل ہے (۱) جو اس نے دنیا میں ظاہر کی ہے تو خود اصل کی کیا حالت ہوگی پس دنیا میں بھی حق تعالیٰ کی رحمت اس درجہ بڑی ہے کہ مخلوق کی رحمت کو اس سے کچھ نسبت بھی نہیں کہ یہ رحمت ہی نہیں کہ ہم لوگ رات دن گناہ اور نافرمانی میں مبتلا ہیں اور حق تعالیٰ ہم کو عذاب سے ہلاک نہیں فرماتے بلکہ برابر اسباب حیات وسامان راحت (۲) عطا فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں: ''وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى '' اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں سے ان کے افعال پر مواخذہ (۳) کرنے لگے تو زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑے لیکن وہ ان کو ایک میعاد معین تک ڈھیل دے رہا ہے اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ گناہ تو انسان وجن کرتے ہیں پھر اس کی کیا وجہ ہے مواخذہ کے وقت زمین پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑا جاتا آخر حیوانات کی کیا خطا ہوئی، وہ تو مکلّف نہیں ہیں۔ سو بات یہ ہے کہ مواخذہ کے وقت انسان وجن تو گناہوں کی وجہ سے ہلاک کیے جاتے ہیں اور حیوانات اس لیے ہلاک کیے جاتے کہ وہ محض مکلفین (۴) کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں جب مکلّفین باقی نہ رہتے تو حیوانات کی بقاء کی ضرورت نہ رہتی اس لیے سب ہی ہلاک کر دیئے جاتے، رہا یہ کہ بعض لوگ تو نیک کام کرتے ہیں وہ کیوں ہلاک ہوتے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ نیک کام کرتے ہیں وہ بھی گناہوں سے بچے ہوئے نہیں ماسوائے انبیاء علیہم السلام پس یا تو وہ اس سے مخصوص ہیں یا یہ کہا جائے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں تشریف رکھنا صرف ہدایت مکلّفین کے لیے ہے جب یہ نہ رہتے تو یہ حضرات آخرت میں رہتے مگر حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ان گناہوں پر مواخذہ نہیں فرماتے، تنبیہ کا مضمون ختم ہوا۔

(۱) پرتو (۲) زندگی اور راحت کا سامان (۳) پکڑ کرنے (۴) انسانوں۔

سہل تعلیم اور احکام

(اصل مضمون یہ تھا کہ) حق تعالیٰ تعلیم میں بندوں پر بے حد شفقت کی رعایت فرماتے ہیں چنانچہ اس کی فرع یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کو ایسے کاموں کا مکلّف (۱) نہیں بنایا جو ان پر دشوار (۲) ہوں بلکہ بہت سہل سہل (۳) احکام مقرر فرمائے ہیں۔ صاحبو! ہم چار روپے کے نوکر سے وہ کام لیتے ہیں جو حق تعالیٰ نے باوجود اس تواتر نعم (۴) کے ہم سے نہیں لیے، چار پانچ روپے ماہوار پر اگر آپ کسی کو نوکر رکھیں تو وہ تمام دن کے لیے آپ کا پابند ہوجاتا ہے اور پھر جو چاہیں آپ اس سے کام لیتے ہیں کسی کام کا اس کو حق نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ نے آپ کو دن رات میں پانچ نمازوں کا مکلّف کیا ہے جن میں مجموعی طور پر ایک گھنٹہ سے زیادہ صرف (۵) نہیں ہوتا پھر یہ بھی حقیقت میں تمہارا ہی کام ہے خدا کا کام نہیں وہ ہماری نمازوں سے مستغنی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ وز گراں جانی و چالاکی ہمہ

یعنی حق تعالیٰ ناپاکی سے تو پاک ہیں ہی وہ ہماری بیان کی ہوئی پاکی سے بھی پاک ہیں یعنی سبحان اللہ والحمد للہ میں جو تم کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ پاک ہیں تو وہ تمہاری اس پاکی بیان کرنے سے بھی پاک ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی پاکی ہمارے ذہن میں بھی نہیں آسکتی بس اس صورت میں ہماری تنزیہ (۶) کی یہ کیفیت ہوگی کہ

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست این نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

یعنی ہم جو خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ کی تعریف میں یہ کہے کہ وہ جولاہ نہیں ہے کہ اس تعریف کو بادشاہ کی تعظیم سے کچھ بھی نسبت نہیں بعینہ یہی مثال ہماری تسبیح وتحمید کی ہے حق تعالیٰ کی حقیقی پاکی ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی مگر بایں ہمہ حق تعالیٰ کی رحمت وشفقت ہے کہ ہماری طاعت وذکر کو قبول فرمالیتے ہیں اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کی تعریف اس طرح کرنے لگے کہ حضور (۷) کی بہت بڑی شان ہے آپ نہ جلاہے ہیں (۸) نہ دھنے ہیں (۹) تو پھر دیکھو اس کی کیا گت (۱۰) بنتی

(۱) پابند (۲) مشکل (۳) آسان آسان (۴) مسلسل نعمتوں کے باوجود (۵) نہیں لگتا (۶) پاکی بیان کرنے کی یہ حالت ہے (۷) جناب کی (۸) کپڑا بننے والے (۹) روئی بیچنے والے (۱۰) اس کو کیا سزا دی جاتی ہے۔

ہے مگر حق تعالیٰ ہماری تسبیح وتحمید (۱) کو قبول فرمالیتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایسی تعریف ہے بس ہمارے ذکر وطاعت کی قبولیت کی یہ مثال ہے سب کو مولانا فرماتے ہیں:

ایں قبول ذکر تو از رحمت است چوں نماز مستحاضہ رخصت است

یعنی مستحاضہ عورت (۲) جس کو ہر وقت خون آتا رہتا ہے شریعت نے اس کو معذور سمجھ کر حکم دیا ہے کہ اسی حالت میں نماز پڑھتی رہے، خون ٹپک رہا ہے کپڑے اور بدن ناپاک ہے مگر اس حالت میں بھی اس کو دربار میں آنے کی اجازت ہے، کچھ ٹھکانہ ہے شفقت کا۔ بس یہی مثال ہمارے ذکر وطاعت کی ہے ہم باطنی ناپاکیوں میں ملوث ہیں مگر رحمت کی وجہ سے قبول فرمالیتے ہیں، خدا کی رحمت ایسی شفقت ہے کہ کوئی کیسا ہی گناہ گار ہو مگر ہر وقت اس کو دربار میں آنے کی اجازت ہے۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر وبت پرستی باز آ
ایں درگہ نومیدی نیست صدبار اگر توبہ شکستی باز آ(۳)

بے مثال شفقت

اگر دن میں سو مرتبہ گناہ کرے اور پھر توبہ کرنا چاہے تب بھی اس کو اجازت ہے کہ دربار میں آجائے اور توبہ کرکے پاک وصاف ہوجائے۔ دنیا میں کسی حاکم کو بلکہ اپنے باپ کی بھی ایک بار سرکشی کرکے پھر منہ دکھانے کے قابل نہیں مگر وہاں سو بار، ہزار بار سرکشی کرنے کے بعد بھی فرماتے ہیں کہ آجاؤ ہم سب معاف کردیں گے اس قدر استغناء کے ساتھ یہ شفقت نہایت عجیب ہے (چنانچہ آیت بالا میں اشکروالله سے پہلے)

(۱) ہمارے سبحان اللہ اور الحمدللہ پڑھنے کو قبول کرلیتے ہیں (۲) عورت کو تین قسم کا خون آتا ہے ہر ماہ میں ایک دفع جس کو ماہواری کہتے ہیں، بچے کی پیدائش کے بعد اس کو نفاس کہتے ہیں۔ ماہواری کم سے کم تین دن زیادہ سے زیادہ دس دن نفاس کم کی کوئی مقدار متعین نہیں ایک دن میں بھی بند ہوسکتا ہے زیادہ سے زیادہ چالیس دن اس زمانے میں عورت کو نماز معاف ہے۔ اس مدت کے علاوہ اگر خون آئے اس کو استحاضہ کہتے ہیں اس میں نماز معاف نہیں ہر نماز کا وقت آنے پر جدید وضوء کرکے نماز پڑھے جیسے معذور جس کو مسلسل نکسیر آرہی ہو ہر نماز کا وقت آنے پر وضو جدید کرکے نماز پڑھتا ہے (۳) ''واپس آ، واپس آ، جو کچھ بھی تو ہے واپس آجا، اگرچہ کافر وآتش پرست اور بت پرست ہے واپس آجا، ہمارا دربار ناامیدی کا دربار نہیں، اگر سو بار بھی تو نے توبہ توڑی واپس آجا''

كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ فرمانا یہ بھی اسی شفقت سے ناشی ہے(۱) پھر اس میں دوسری شفقت یہ ہے کہ عبادت کو شکر سے تعبیر کیا اعبدوا اللہ نہیں فرمایا بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آخر تم پر بہت انعامات کیے ہیں، تمہارے لیے پاکیزہ نعمتیں کھانے پینے کو پیدا کی ہیں تم ہماری نعمتوں میں سرتاپا غرق ہو کیا۔ اس کی قدر ضروری نہیں، کیا نعمت کا شکر لازمی نہیں؟ یہ ایسا عنوان ہے جس کو ہر شخص فوراً تسلیم کر لیتا ہے کیونکہ نعمت کا شکر ادا کرنا عقلاً ہر شخص کے نزدیک ضروری ہے۔ حق تعالیٰ کو یہ حق تھا کہ ہم کو صاف صاف فرمادیتے کہ تم کو ہماری عبادت کرنا چاہیے مگر غایت شفقت کی وجہ سے یہ عنوان اختیار فرمایا کہ تمہارے اوپر ہمارے بہت سے انعامات ہیں ان کے شکریہ میں کچھ ہمارا بھی کام کرلو۔ پھر شفقت یہ ہے کہ حقیقت میں عبادت کرنا ہمارے واسطے نافع ہے خدا کو اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ پس واقع میں وہ ہمارا ہی کام ہے مگر شفقت کی وجہ سے اس کو اپنا کام کہہ دیا جیسے باپ بیٹے سے کہا کرتا ہے کہ ہم تم کو مٹھائی دیں گے تم ہمارا ایک کام کردو وہ یہ کہ سبق سنادو حالانکہ سبق سنانا اسی کا کام ہے۔ اسی کے نفع کی چیز ہے غرض حق تعالیٰ کی تعلیم کے سہل ہونے کی لم (۲) یہ ہے کہ ان کو اپنے بندوں کے حال پر شفقت بہت زیادہ ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام میں یہی شفقت اسی طرح جھلک رہی ہے جیسے آئینہ میں نور آفتاب جھلکتا ہے۔ اس لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم بھی بہت سہل ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بالکل ایسی مثال ہے۔

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استاد ازل گفت می گویم(۳)

ظاہری و باطنی اصلاح

انبیاء میں جو سب سے اکمل ہے ان میں ظہور صفات بھی اکمل (۴) ہوتا ہے اسی لیے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں شفقت و سہولت سب سے کامل ہیں اور منافع بھی آپ کی تعلیم میں بہ نسبت دوسروں کی تعلیم کے زیادہ ہیں۔ چنانچہ اس وقت جو ارشاد

(۱) کی دلیل ہے (۲) وجہ (۳) ''آئینہ کے پیچھے طوطی کی طرح مجھے رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں'' (۴) اللہ کی صفات کا ظہور بھی کامل درجہ میں ہوتا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میں نے بیان کے لیے اختیار کیا ہے وہ بظاہر ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے بجالانے میں جو منافع ہے (۱) اور ترک میں جو مضار (۲) ہیں ان کو معلوم کر کے اس کی ضرورت واہمیت ظاہر ہوگی۔ پھر جب اس پر نظر کی جائے گی کہ ہم لوگ اس کی طرف سے کس قدر بے التفاتی برت (۳) رہے ہیں تو اس سے اس کی ضرورت اور زیادہ موکد ہوجائے (۴) گی۔

ہماری بعض گناہوں کو ترک کرنے کی وجہ

اب سمجھنا چاہیے کہ ہم لوگ جن گناہوں کو چھوڑے ہوئے ہیں ان میں بعض تو اس لیے متروک ہیں (۵) کہ وہ وضع (۶) کے خلاف ہیں۔ مثلاً چوری کرنا، زنا کاری، غصب کرنا، یہ ایسے کام ہیں جو محض اپنی شریفانہ وضع کی رعایت سے اکثر لوگ نہیں کرتے اور جو کام ہماری وضع کے خلاف نہیں گو شرعاً ان کا ارتکاب کتنا ہی گناہ عظیم ہو۔ ان میں اکثر لوگ مبتلا ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے اندر بعض گناہوں کے نہ ہونے کا سبب خوف خدا نہیں ہے اور جو لوگ خوف خدا کی وجہ سے بھی گناہ چھوڑتے ہیں وہ بھی اکثر سب گناہوں کو نہیں چھوڑتے، بس وہ نماز پڑھ لیں گے، زکوٰۃ دے دیں گے تو اپنے نزدیک جنید ہوگئے اور حج کرلیا تو جنید کے بھی پیر ہوگئے۔ بس انہوں نے انہیں اعمال کو ضروری سمجھ لیا۔ باقی اعمال کی ان کو پرواہ نہیں، دل میں کبر وریاء بھری ہوئی ہے، رضا بالقضا نہیں ہے (۷)، خدا کے ساتھ محبت نہیں، معرفت نہیں، جاہ طلبی وحسد دل (۸) میں موجود ہے مگر وہ بے فکر ہیں۔ حالانکہ حکم یہ ہے ''وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ'' کہ ظاہری اور باطنی سب گناہوں کو چھوڑو۔ یہ لوگ محض ظاہر کو سنوارتے ہیں باطن کی اصلاح کا اہتمام نہیں کرتے بس وہ حال ہے۔

از بروں طعنہ زنی بر بایزید — وز درونت ننگ میدارد یزید
از بروں چوں گور کافر پر حلل — واندرون قہر خدائے عزوجل (۹)

(۱) فائدے (۲) چھوڑنے میں جو نقصانات ہیں (۳) بے پرواہی کررہے ہیں (۴) زیادہ تاکید ہے (۵) چھوٹے ہیں (۶) ہماری شخصیت وکردار (۷) تقدیر الٰہی پر راضی نہیں (۸) اقتدار کی طلب اور حسد (۹) ''ظاہری حالت سے تو بایزید بسطامیؒ جیسے بزرگ پر تو طعنہ زنی کرتا ہے اور تیری باطنی حالت سے یزید بھی شرماتا ہے، تیری ظاہری حالت تو گور کافر (کافر کی قبر) کی طرح آراستہ وپیراستہ ہے اور اس کے اندر خدائے بزرگ وبرتر کا قہر وغضب نازل ہے۔

بس ہماری وہی حالت ہے کہ اوپر سے اپنے آپ کو سنوار رکھا ہے اور کپڑا اٹھا کر دیکھو تو گودر گو(۱) ہو رہے ہیں۔

ہمارا حال

ایک بزرگ نے ایک جوان کو دیکھا کہ اکڑ کر چل رہا ہے آپ نے اس کو ٹوکا کہ ذرا سنبھل کر چلو۔ وہ کہنے لگا تم جانتے نہیں ہم کون ہیں، فرمایا ہاں میں خوب جانتا ہوں، کہنے لگا بتلاؤ تم کیا جانتے ہو۔ آپ نے فرمایا: اولك نطفة مذرة واخرك جيفة قذرة وانت بين ذالك تحمل العذرة ''کہ تمہاری ابتدا تو ایک ناپاک نطفہ ہے اور تمہاری انتہا سڑی ہوئی لاش ہے کہ مرنے کے بعد تمہارے اندر ہزاروں کیڑے پڑ جائیں گے اور مردہ لاش میں ایسی بدبو آئے گی کہ کوئی پاس بھی نہ پھٹک سکے گا۔ اس لیے شریعت نے حکم دیا ہے کہ مرجانے کے بعد دفن میں جلدی کرو۔ شریعت کا یہ مقصود ہے کہ مسلمان مردہ کو ایسی حالت میں اپنے سے جدا کیا جائے کہ کوئی بات موجب نفرت کے اس کے اندر نہ پیدا ہو، دیر کرنے میں اندیشہ ہے کہ لاش پھول جائے اس میں سے بدبو آنے لگے اور اس حالت کو دیکھ کر لوگ اس کو حقارت سے دیکھیں اور نفرت ظاہر کرنے لگیں، یہ تو اکرام میت کے منافی ہے۔ غرض یہ ہماری انتہائی حالت ہے جس میں بڑے سے بڑا عاشق بھی ہماری لاش کو جلدی دفن کر دینا ہی چاہے گا اور درمیانی حالت یہ ہے کہ تم ہر وقت گوہ کا ٹوکرا ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہو کیونکہ تمہارے پیٹ کے اندر نہ معلوم کتنے سیر پاخانہ بھرا ہوا ہے یہ خدا کی رحمت ہے کہ اس نے پیٹ کو ڈھکا ڈھول بنا دیا ہے کہ اس میں پاخانہ بھرا ہوا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو کچھ خبر نہیں ہوتی۔

اللہ کی ستاری

واقعی اگر امعاء میں قوت ماسکہ(۲) نہ ہوتی جس کی وجہ سے وہ پاخانے کو روکے رہتی ہے اور ایک معین وقت میں سارے کو باہر نکال دیتی ہے تو ہماری کیسی بری گت بنتی ہے بس ہر وقت موری سے پاخانہ بہا کرتا۔ چنانچہ جب کسی مرض یا بڑھاپے کی

(۱) پخانے میں لتھڑے ہوئے ہیں (۲) اگر آنتوں میں نجاست کو روکے رکھنے کی قوت نہ ہوتی۔

وجہ سے یہ قوت ماسکہ (۱) کمزور ہوجاتی ہے تو اس شخص کے تیماردار بھی گھبراتے ہیں، سارا گھر بدبو سے سڑ جاتا ہے، سارے گھر میں ایک موری (۲) کی وجہ سے سڑاہند پھیل جاتا ہے تو یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس نے امعاء میں قوت ماسکہ رکھ دی ہے ورنہ ہر وقت نجاست بہا کرتی۔ پھر دیکھو انسان کے بدن میں ہزاروں مسامات ہیں جن سے پسینہ نکلتا ہے۔ یہ خدا کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ ان مسامات سے پاخانہ کا عرق کبھی باہر نہیں آتا۔ اگر مسامات سے پاخانہ نکلا کرتا تو زندگی موت ہوجاتی تو محض خدا کی رحمت کی وجہ سے آپ بنے ٹھنے پھرتے ہیں ورنہ انسان کے اندر اتنا پاخانہ بھرا ہوا ہے کہ اگر وہ ہر وقت نکلنے لگے اس وقت اس زینت وآرائش کی ساری مٹی پلید ہوجائے۔ غرض ان بزرگ نے خوب جواب دیا کہ ہاں میں جانتا ہوں کہ تُو کون ہے۔ بس تیری حقیقت تو یہ ہے آگے خدا کی ستاری ہے (۳) کہ اس نے تیرے پیٹ کو ڈھکا ڈھول بنادیا ہے۔ تو کیا اس نعمت کا یہی شکر یہ ہے کہ تو فرعون کی طرح اکڑ کر چلے۔

ہمارے باطن کا حال

صاحبو! جس طرح ہمارا ظاہر ناپاک معلوم ہورہا ہے اسی طرح ہمارا باطن بھی ناپاک ہے مگر خدا کی رحمت سے وہ پاک معلوم ہورہا ہے اسی طرح ہمارا باطن بھی ناپاک ہے جس کی اطلاع خدا ہی کو ہے یا ہم کو ہے دوسروں کو کچھ خبر نہیں کہ ہمارے دل میں کیا کیا گندگی بھری ہوئی ہے، بخدا اگر دلوں کی گندگی کی بدبو محسوس ہوتی وہ ایسا ہی سمجھتے مگر یہ بھی رحمت الٰہی ہے کہ اس گندگی کی بدبو ہر اک کو محسوس نہیں ہوتی جس سے لوگ اپنے آپ کو پاک وصاف اور ستھرے سمجھنے لگے۔ صاحبو! تم کو زکام ہورہا ہے اس لیے یہ بدبو محسوس نہیں ہوتی، کسی صحیح الدماغ ہے کو اپنا حال دکھلاؤ (۴)، وہ بتلائے گا کہ تمہارے دل میں کس قدر گندگی ہے جس کی بدبو سے اس کا دماغ پریشان (۵) ہوگیا، کوئی مولانا یا کوئی شیخ اس پر مغرور نہیں ہوا کہ لوگ ہم کو اچھا سمجھتے ہیں۔ ہماری تعظیم وتکریم کرتے ہیں تو ہم واقع میں بھی ایسے ہی ہیں، یقیناً دوحال سے خالی نہیں یا تو وہ مخلوق کو دھوکہ دے رہے ہیں

(۱) روکنے کی طاقت (۲) سوراخ کی بنا پر بدبو پھیل جاتی ہے (۳) پردہ داری (۴) کسی ایسے بزرگ کے سامنے اپنے احوال بیان کر جو روشن دماغ ہو (۵) دماغ پھٹا جارہا ہے

کہ لوگ ان کے ظاہری طرز اور عبادت ومجاہدات کی وجہ سے ان کو بزرگ سمجھنے لگے، دل کی کسی کو خبر نہیں کہ یہ سارا ڈھونگ ہی ڈھونگ ہے یا کچھ اخلاص بھی ہے مگر یاد رکھو، خدا کے سامنے یہ دھوکہ نہ چل سکے گا۔ مولانا فرماتے ہیں:

اللہ اللہ می زنی از بہر نان	بے طمع پیش آؤ اللہ رانجواں
خلق راگیرم کہ بفریبی تمام	در غلط اندازی تاہر خاص وعام
کارہا باخلق آری جملہ راست	باخدا تزویر وہیلہ کے رواست
کاربا او راست باید داشتن	رایت اخلاص وصدقہ افراشتن(۱)

بناوٹی پیروں کا حال

از بہر نان پر مجھے یاد آیا کہ ایک مولوی کان پور میں آئے، ان کا کرتہ پھٹا ہوا، نئے کرتہ کی ضرورت تھی آپ نے کیا حکمت کی تھی کہ ایک رئیس کے یہاں مولود پڑھنے گئے وہاں کسی شعر پر آپ نے وجد ظاہر کیا اور کرتہ جہر جہر پھاڑ ڈالا، اب اس بے چارہ رئیس کو غیرت آئی کہ مولانا صاحب میرے گھر پر کرتہ پہن کر آئیں اور یہاں سے ننگے تشریف لے جاویں اس نے فوراً نوکر کو بزاز(۲) کے یہاں بھیجا اور ان کے واسطے ایک تھان منگایا، فوراً کرتے قطع ہوئے اور ایک کرتہ ان کو پہنایا، باقی کرتے بھی شاید انہی کے حوالے کردیئے تھے۔ اس کو مولانا فرماتے ہیں اللہ اللہ می زنی از بہر نان۔ یہی وجہ ہے کہ وعظ وپند میں اثر نہیں عوام بھی سمجھ گئے کہ یہ سارا وجد نیا کرتہ لینے کے واسطے کیا تھا، پھر ایسی حالت میں ان پر کیا خاک اثر ہو، غرض مخلوق کو بہت دھوکہ دیا جارہا ہے۔ ظاہر میں وجد وحال کی صورت بنائی جاتی ہزار دانوں کی تسبیح ہاتھ میں رکھی جاتی ہے اور باطن میں ریاء اور حب جاہ(۳) بھری ہوئی ہے مگر حق تعالیٰ کے یہاں یہ دھوکہ نہ چل سکے گا۔

---

(۱) ”تم اللہ اللہ روٹی کے لالچ سے کرتے ہو، بے طمع ہوکر اخلاص سے اللہ اللہ کرو تو اثر ہو، میں نے فرض کرلیا کہ تم نے ساری مخلوق کو دھوکہ ہی دے دیا مگر خدا تعالیٰ کو کہاں دھوکہ دے سکتے ہو، مخلوق کے ساتھ تمہارے سب کام درست ہیں، خدا تعالیٰ کے ساتھ مکر وحیلہ کب جائز ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو سب کام درست رکھنے چاہئیں اور سچائی کا علم بلند کرنا چاہیے“ (۲) کپڑے والے کی دکان پر بھیجا (۳) دکھاوا اور اقتدار کی محبت۔

ریاء کا علاج

لیکن اس سے وہ لوگ خوش نہ ہوں جو کچھ بھی نہیں کرتے کہ ہم ریاء سے محفوظ ہیں کیونکہ ہم ذکر ہی نہیں کرتے جو ریاء پیدا ہو، سو خوب سمجھ لو کہ تم ان سے اچھے نہیں کیونکہ وہ ذکر تو کرتا ہے گو ریاء ہی سے سہی اور تم تو اتنا بھی نہیں کرتے، ذکر اگر ریاء سے بھی ہو تو چونکہ وہ ایک روز مبدل بہ اخلاص ہو جاتا ہے(۱) ایک دن اپنا کام کر جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ریاء سے ذکر کرتا ہو اسے حقیر نہ سمجھو کیونکہ ریاء ہمیشہ ریاء نہیں رہتی وہ اولاً ریاء ہوتی ہے پھر کرتے کرتے عادت ہو جاتی ہے اور عادت کے بعد پھر اس کو نہ دکھلاوے کا خیال رہتا ہے نہ لوگوں کو وہ عمل نیا معلوم ہوتا ہے اس لیے عادت سے عبادت ہو جاتی ہے پھر اس میں خلوص پیدا ہو جاتا ہے، سبحان اللہ! واقعی یہ حضرات حکماء ہیں۔ کسی نے افلاطون کو خواب میں دیکھا تھا اس سے ارسطو اور جالینوس وغیرہ کے متعلق پوچھا کہ یہ لوگ فلسفی تھے کہا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں پھر جنید اور بایزید بسطامی وغیرہ کے متعلق پوچھا کہا ''اولئك هم الفلاسفة حقا'' یعنی سچے فلسفی یہی لوگ ہیں! واقعی حکمت اسلامی کے مقابلہ میں حکمت یونان کی حکمت ہی کیا ہے کچھ بھی نہیں، سچے فلسفی اور حکیم یہی لوگ ہیں یعنی صوفیاء کرام چنانچہ دیکھ لیجئے حضرت حاجی صاحب نے ریاء کے متعلق کیسا عجیب مضمون بیان فرمایا جس سے ریاء کا علاج بہت ہی سہل ہو گیا ہے کہ جس کام میں ریاء کا خیال آتا ہے اس کو بکثرت کرنا چاہیے اور ریاء کی پرواہ نہ کرنی چاہیے البتہ عقلاً عقیدۃً اس کو برا سمجھتے رہنا چاہیے پھر کرتے کرتے وہ خود ہی عادت اور عادت سے عبادت ہو جائے گی۔ یہ ایسی حکمت ہے کہ حکماء یونان کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔

حضور قلب کے حصول کا طریقہ

اس کے مناسب مضمون ہے کہ بعض لوگوں کو ذکر میں یہ شکایت پیش آتی ہے کہ ہم کو حضور قلب نصیب نہیں ہوتا، وساوس وخطرات ہجوم کرتے ہیں اس کا بھی یہی

(۱) اخلاص میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

علاج ہے کہ ذکر کرتے رہنا چاہیے اول اول محض ذکر لسانی ہوتا ہے پھر کرتے کرتے حضور حاصل ہوجاتا ہے اسم سے مسمی کی طرف انتقال خود بخود ہوجاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

مست ولا یعقل نہ از جام ہو اے زھو قانع شدہ برنام ہو(۱)

یہ تو شکایت ہے پھر اس سے اضراب کے طور پر فرماتے ہیں:

از صفت وزنام چہ زاید خیال واں خیالت ہست دلاں وصال(۲)

یعنی خدا کا نام لیتے لیتے اول ایک خیال قائم ہوجاتا ہے پھر وہی خیال وصال کا وسیلہ(۳) بن جاتا ہے۔ صاحبو! خدا کے نام سے اثر ضرور ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ مٹھائی اور کھٹائی کا نام لینے سے منہ میں پانی بھر آتا ہے تو خدا کا نام کیا اس سے بھی کم ہوگیا، ہرگز نہیں اس سے بھی ضرور ایک دن دل پر اثر ہوگا، کام میں لگا رہنا چاہیے، گھبرانا نہ چاہیے۔

حسنِ تدبیر

کھٹائی کے نام سے منہ میں پانی بھر آنے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک بادشاہ نے شہزادہ کو روزہ رکھوایا تھا اور روزہ کشائی کی رسم کے لیے بڑے پیمانے پر دعوت کا انتظام کیا تھا، لڑکے نے ظہر تک تو صبر کیا لیکن عصر کے بعد اس سے نہ رہا گیا، مارے پیاس کے بے تاب ہوگیا اور مچلنا شروع کیا، بادشاہ نے اطباء کو بلایا کہ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ اس کی پیاس کو تسکین ہوجائے اور روزہ بھی نہ جائے ورنہ سارا کیا کرایا سامان برباد ہوجائے گا۔ سب اطباء اس کے علاج سے عاجز ہوگئے، ایک غیر مشہور طبیب کی سمجھ میں ایک نسخہ آیا اس نے عرض کیا کہ حضور میں اس کا علاج کروں گا۔ آپ چند لڑکوں کو بلایئے اور تھوڑے سے لیموں منگا دیجئے۔ چنانچہ فوراً انتظام کیا گیا، اس نے لڑکوں سے کہا کہ شہزادے کے سامنے لیموں کا ٹکڑا کھانا شروع کرو، بس لیموں کو کھاتے ہوئے دیکھ کر شہزادے کے منہ سے رطوبت کے دریا پیدا ہوگئے۔ طبیب نے کہا کہ اس

(۱) ''جام ھو سے تو مست ولا یعقل نہیں ہے اے شخص تو ذات ھو سے ھو کے نام پر قانع ہوگیا'' (۲) ''اللہ تعالیٰ کا نام لیتے لیتے ایک خیال قائم ہوجاتا ہے پھر وہی خیال وصال کا وسیلہ ہوجاتا ہے'' (۳) ذریعہ۔

رطوبت کو نگلنا شروع کرو۔ بس لعاب دہن (۱) کے لگانے سے روزہ بھی نہیں ٹوٹتا، اس نے لعاب نگلنا شروع کیا۔ بس پیاس کو فوراً تسکین ہوگئی، بادشاہ اس تدبیر سے بہت خوش ہوا اور طبیب کو بہت کچھ انعام دیا۔ بس جب لیموں کے نام میں یہ خاصیت ہے تو خدا کے نام میں کیوں یہ خاصیت نہ ہوگی کہ اس سے دل بھر آئے۔ الغرض ریاء کا قصد نہ کرنا چاہیے لیکن اگر ایک دن میں ریاء زائل نہ ہو تو ذکر کو چھوڑنا بھی نہ چاہیے، کرتے رہنا چاہیے رفتہ رفتہ ریاء خود زائل ہوجائے گا۔ وہ خدا کا نام تم کو ان شاء اللہ خدا ہی تک پہنچادے گا، نہ ہونے سے ذکر کا ہونا بہرحال اچھا ہے۔

خدا کی ستاری

میں یہ کہہ رہا تھا کہ کوئی شیخ صاحب یا مولانا صاحب مخلوق کی تعظیم وتکریم پر مغرور نہ ہوں۔ وہ یا تو مخلوق کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اگر کسی کا قصد دھوکہ دینے کا بھی نہ ہو تو خدا کی ستاری ہے کہ اس نے ہمارے عیوب مخلوق سے چھپادیئے ہیں اور محاسن ظاہر کردیئے ہیں ہمارے اندر کبر ہے ریاء ہے حسد ہے حب جاہ ہے لیکن مخلوق کو خبر نہیں وہ ہم کو اس عیوب سے پاک سمجھتے ہیں۔ اس لیے تعظیم وتکریم سے پیش آتے ہیں اگر لوگوں کو ہمارے عیوب باطنیہ کی خبر ہوجائے تو سب سے پہلے وہ ہماری گت (۲) بنائیں۔ پس اگر خدا کی ستاری سے ہمارے عیوب ظاہر نہ ہوں تو ہم کو اپنا معتقد نہ ہونا چاہیے۔ غضب تو یہ ہے کہ لوگوں کی تعظیم وتکریم عقیدت سے ہم خود بھی اپنے معتقد ہوجاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم واقع میں کچھ ضرور ہیں، جب ہی تو اتنے آدمی بڑا سمجھتے ہیں۔ سو خوب سمجھ لو ''بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ''(۳) ہر شخص اپنی حالت کو دوسرے سے زیادہ جانتا ہے اور دوسرے اس کی اندرونی حالت سے محض اس لیے بے خبر ہوتے ہیں۔ بس تعجب ہے کہ چند ناواقفوں کی تعظیم وتکریم سے تم واقف ہوکر اپنے معتقد بن گئے۔ آج کل بکثرت یہی حالت ہے کہ باوجود یہ کہ باطن سراپا گندہ ہے لیکن ظاہری تقویٰ کو کافی سمجھا جاتا ہے اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے باطن میں کیا کیا گندگی بھری ہوئی ہے اس پر میں نے یہ شعر پڑھا تھا:

(۱) تھوک نگلنے سے (۲) ہماری ٹھکائی کریں (۳) ''بلکہ انسان خود اپنی حالت پر مطلع ہے''

از بروں چوں گور کافر پر حلل واندروں قہر خدائے عزوجل(۱)

لایعنی امور سے احتیاط

حاصل یہ کہ بعض منکر رذائل کے ازالہ کی طرف التفات(۲) بھی نہیں کرتے من جملہ ان ہی رذائل کے اشتغال بما لایعنی ہی ہے(۳) جس کی نسبت یہ ارشاد ہے۔ یعنی ''من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه''(۴) کہ غیر ضروری اور لایعنی امور کو ترک کردیں اس پر نہ مشائخ کو التفات ہے نہ غیر مشائخ کو سب غور کرکے دیکھ لیں کہ دن بھر میں کتنی بار فضول باتیں کرتے ہیں مگر حضور ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لایعنی امور کو ترک کردے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا حسن اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو کیا اسلام کے حسن کی آپ کو ضرورت نہیں۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ہمیشہ نظر نیچی رکھتے تھے۔ اگر کوئی ان سے بات بھی کرتا تو نظر اٹھا کر اس کو نہ دیکھتے تھے سر نیچے کئے بات کا جواب دیتے، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ بات کا سننا کان کے متعلق ہے اور جواب دینا زبان کے متعلق ہے نگاہ کا اس میں کچھ کام نہیں تو میں بے فائدہ اپنی نظر کو کیوں صرف کروں۔ صاحبو! جن لوگوں کو اپنے اسلام کے کامل کرنے کا خیال ہوتا ہے وہ تو لایعنی امور سے اتنی احتیاط کرتے ہیں کہ نظر کو بھی بے فائدہ نہیں صرف کرتے اور اس میں جو نفع ہے اس کو ابھی آپ نہیں سمجھ سکتے، اس پر عمل کرکے دیکھئے کس قدر دل میں نور پیدا ہوتا ہے پھر آپ کو محسوس ہوگا کہ بے فائدہ نظر کرنے سے کتنا ضرر(۵) ہوتا ہے غرض یہ کہ معلوم ہوگیا کہ اس سے غفلت سب کو ہے اور ایسی غفلت ہے کہ لایعنی امور کا ارتکاب(۶) کرکے ندامت بھی کسی کو نہیں ہوتی، گناہ بھی لوگ کرتے ہیں مگر اس سے ندامت تو ہوتی ہے چنانچہ غیبت کرکے سب پچھتاتے ہیں مگر ہنسی دل لگی کرکے کوئی نہیں بچتا کہ اے اللہ میں نے

(۱) ''ظاہر سے تو گور کافر کی طرح آراستہ ہے اور اس کے اندر خدا کا قہر نازل ہے'' (۲) بعض ناپسندیدہ بری عادتوں کے ترک کرنے کی طرف بالکل توجہ نہیں ہے (۳) انہی بری عادتوں میں سے ایک فضول کاموں میں مشغول ہونا بھی ہے (۴) مجمع الزوائد للہیثمی: ۸/ ۱۸، مسند احمد: ۱/ ۲۰، کنز العمال: ۳/ ۸۲۹۱ (۵) نقصان (۶) فضول باتیں اختیار کرکے شرمندگی بھی نہیں ہوتی۔

فضول وقت ضائع کیا، میری توبہ ہے۔ اگر لایعنی امور سے ایسی احتیاط نہ ہوسکے جیسی مولانا رفیع الدین صاحب کے والد کرتے تھے کہ وہ نظر کو بھی بے فائدہ صرف نہ کرتے تھے تو ایسا بھی تو نہ ہونا چاہیے کہ بالکل وہ دردہ ہی ہوجاؤ(۱) کہ کسی وقت اس سے بچنے کا خیال ہی نہ ہو۔

امور لایعنی کی تعریف

اب سمجھو کہ لایعنی کسے کہتے ہیں۔ افعال کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو نافع ہیں (۳) خواہ دنیا میں یا دین میں دوسرے وہ جو مضر ہیں (۲) دنیا میں یا آخرت میں تو جو امور نافع ہیں خواہ دنیا میں یا دین میں وہ تو ضروری ہیں ان کے چھوڑنے کو میں نہیں کہتا۔ البتہ اتنی قید ضروری ہے کہ جو امور دنیا میں نافع ہوں شریعت سے ان کی اجازت ہونی چاہیے اگر اجازت نہ ہوگی تو وہ دوسری قسم میں داخل ہوجائیں گے جو کہ آخرت میں مضر ہے کیونکہ ناجائز کام میں یہ ممکن ہے کہ دنیا کا نفع بظاہر معلوم ہوتا ہو مگر آخرت میں اس سے ضرر ہوگا، عتاب وعذاب (۴) ہوگا لیکن جب ایک کام دنیا میں بھی نافع ہے شریعت سے بھی اس کی اجازت ہے تو اس کو ضرور کرلینا چاہیے۔ مثلاً ہم ایک شخص سے سودا کررہے ہیں اور اس کو مال دکھلا رہے ہیں اور وہ ہم سے جھک جھک کرتا ہے اور اگر اس میں ایک گھنٹہ بھی لگ جائے تو کچھ حرج نہیں یہ سب گفتگو ثواب میں داخل ہے بشرطیکہ جھوٹ اور فریب سے احتراز کیا جائے کیونکہ اگر ہم خریدار سے بات چیت نہ کریں اور اس کو بار بار قسم قسم کا مال نہ دکھلائیں اور ایک چیز دکھلا کر ایک دفعہ قیمت بتلا کر خاموش ہوجائیں تو اس طرح تجارت نہیں چل سکتی اس لیے خریدار سے بات چیت کرنا ضروری ہے کیونکہ دنیا کے لیے نافع ہے اور اگر تجارت کے سوا ہماری اور کوئی آمدنی نہ ہو تو دین کے واسطے بھی نافع ہے کہ کسب حلال کے لیے سعی ہے (۵)

ضروری امور کی تعریف

ضروری کی تفسیر میں لوگ غلطی کرتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بس نماز

(۱) بالکل ان کاموں میں ڈوب ہی جاؤ (۲) مفید (۳) نقصان دہ (۴) آخرت میں نقصان وعذاب ہوگا (۵) کوشش

روزہ ہی ضروری ہے اور کوئی چیز ضروری نہیں یہ خیال غلط ہے ضروری وہ ہے جس کے ترک میں ضرر ہو(۱) دنیا کا یا آخرت کا اس تفسیر کے مطابق خریدار سے بات چیت کرنا بھی ضروری ہے اگر تم اس سے نہ بولو گے تو تجارت کو ضرر ہوگا اس وقت شریعت مقدسہ سکوت کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر اس مکالمت (۲) میں گھنٹہ دو گھنٹہ لگ جائیں تو یہ مت سمجھا جائے کہ وقت ضائع ہوا اور دین کا نقصان ہوا ہرگز نہیں یہ سارا وقت ضروری کام میں صرف ہوا ہے اگر نیت اچھی ہے مثلاً یہ نیت ہے کہ ہم اس خریدار سے اس لیے گفتگو کرتے ہیں تاکہ یہ کوئی چیز خیر دے تو ہم کو مال حاصل ہوگا جس سے اہل وعیال کا نفقہ ملے گا یا صدقہ وخیرات کریں گے تو اس تمام وقت میں ثواب بھی ملا، یہ کتنی بڑی رحمت ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا ہوگا کہ شریعت کو ہماری دنیا کی کس قدر رعایت ہے پھر بھی لوگ شریعت کی قدر نہیں کرتے بس اگر تم کو تجارت کی ضرورت وحاجت ہو تو جب تک یہ امید رہے کہ خریدار کچھ نہ کچھ خریدے گا اس وقت تک سودا کرنے میں کچھ بھی حرج نہیں، چاہے کتنا ہی وقت صرف ہوجائے یہ سب ضرورت میں داخل ہے لایعنی (۳) نہیں ہے۔ اسی طرح ایک شخص غریب ہے سر پر امرودوں کا ٹوکرا رکھے ہوئے بیچتا پھرتا ہے وہ اگر تمام دن لے لو امرود کی صدا لگاتا پھرے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں اس کا سارا وقت ضروری کام میں صرف ہوا اور اس کے دن بھر لے لو امرود کہنے میں وہی ثواب ہے جو دن بھر اللہ اللہ کرنے میں ثواب ہے۔

اللہ کے نام کی بے حرمتی

بلکہ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ لے لو امرود کہنے میں خدا کا ذکر نہیں ہوتا لاؤ اس کے بجائے سبحان خالق الکمثری (۴) کہا کروں تو فقہاء نے اس کو ناجائز لکھا ہے کیونکہ اس میں خدا کے نام کو دنیا کے واسطے استعمال کرنا ہے جس سے خدا کے نام کی بے ادبی ہوتی ہے اس شخص کو لے لو امرود کہنے ہی میں ثواب ہے اور سبحان خالق الکمثری کہنے میں کراہت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص پہرہ دینے کا ملازم ہے وہ رات بھر جاگو

(۱) نقصان (۲) گفتگو (۳) بیکار نہیں (۴) پاک ہے امردوں کو پیدا کرنے والی ذات۔

جاگو کہتا رہے تو اس کے جاگو جاگو کہنے میں کوئی ضرر نہیں (۱) یہ بھی ضروری کام میں داخل ہے اس سے دل کا نور کچھ بھی کم نہ ہوگا اور اگر وہ بجائے جاگو جاگو کے لا الٰہ الا اللہ زور سے کہتا پھرے اور یہ سمجھے کہ جاگو کہنے میں خدا کا ذکر نہیں ہوتا لاؤ ایسا لفظ پکاریں جس میں خدا کا ذکر بھی ہوجائے اور پہرہ بھی ہوجائے تو فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے اور وجہ وہی ہے کہ اس نے خدا کے نام کو دنیا کے واسطے استعمال کیا۔ واقعی فقہاء دین کو خوب سمجھتے ہیں بظاہر تو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ لا الہ الا اللہ پکار کر پہرہ دیا جائے مگر فقہاء نے اس کی علت کو سمجھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جاگو جاگو کہنے میں اس کو ثواب ملے گا اور ذکر کے ساتھ پہرہ دینے میں گناہ ہوگا۔

تلاوت قرآن پر اجرت کے احکام

اسی طرح راستوں میں بیٹھ کر قرآن پڑھنا اس نیت سے کہ کوئی ہم کو حاجت مند سمجھ کر کچھ دے گا بالکل حرام ہے اگر کوئی حاجت مند زیادہ ہو اور اس کو مانگنا جائز ہو صاف صاف سوال کرنا چاہیے۔ قرآن کی صورت سوال بنانا حرام ہے فقہاء نے ضرورت کی وجہ سے تعلیم پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے لیکن ذکر خالص کو دنیا کا ذریعہ بنانا جس سے تعلیم مقصود نہ ہو حرام ہے۔

وظائف میں گفتگو کا حکم

غرض پہرہ والے کا جاگو پکارنا فضول نہیں ہے بلکہ وہ اگر پہرہ چھوڑ کر چپکے چپکے نفلیں پڑھنے لگے تو وہ خائن ہے (۲) اس نے اپنی ملازمت میں خیانت کی اس حالت میں تنخواہ لینا اسے بالکل حرام ہے اسی طرح اگر کوئی شخص ذکر و شغل میں مشغول ہو اور اس وقت کوئی اس کے پاس نماز سیکھنے آئے تو اس وقت ذکر و شغل ترک کر دینا اور اس شخص سے بات چیت کرنا واجب ہے۔ یہ بات چیت بھی ضرورت میں داخل ہے یا ہم تسبیح وغیرہ میں مشغول ہیں اور ایک آدمی نماز خراب پڑھ رہا ہو اس وقت واجب ہے کہ اپنا ذکر چھوڑ کر اسے ٹوک دیں کہ نماز اطمینان سے پڑھو بشرطیکہ فتنہ اور لڑائی کا خوف نہ ہو

(۱) نقصان (۲) بددیانت۔

اگر ایسا خوف ہو اور نہ ٹوکا تو کچھ گناہ نہیں لیکن اگر محض اپنے ذکر اور تسبیحوں کا خیال ہو تو کہ کون اس کو بتلائے کیوں اپنا کام چھوڑیں یہ نماز خراب پڑھے گا تو خود ہی جہنم میں جائے گا تو اس میں ان تسبیح پڑھنے والے صاحب کو بھی گناہ ہوگا باوجود قدرت کے اس نے نہی عن المنکر (۱) میں کوتاہی کی مگر آج کل کے لوگوں کو اپنے وظائف کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ ان میں بولنا گناہ سمجھتے ہیں بس ایسی چپ سادھ کر بیٹھتے ہیں کہ چاہے کچھ بھی ہوجائے بولنا جانتے ہی نہیں۔ یاد رکھو یہ سخت غلطی ہے ضرورت کے وقت بات چیت کرنا ذکر وغیرہ سے افضل ہے مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے بولنے بات کرنے کو برا نہیں سمجھتے اور وظیفہ میں بولنے کو گناہ سمجھتے ہیں چاہے ان کے نہ بولنے سے کسی کی جان ہی جاتی رہے جیسے ایک دیہاتی زاہد رات کو مسجد میں بیٹھا ہوا مراقبہ کر رہا تھا وہاں ایک غریب مسافر بھی پڑا سو رہا تھا جو سوتے ہوئے خراٹے لیا کرتا تھا، اس کے خراٹوں سے دیہاتی کے مراقبہ میں خلل پڑنے لگا تو آپ نے اسے جگا کر بٹھا دیا کہ اٹھ کر بیٹھو یہ تم کیا کر رہے ہو، وہ غریب اٹھ کر بیٹھا مگر نیند کہاں جاتی ہے۔ بے چارہ تھکا ماندہ تھا تھوڑی دیر بعد پھر سو رہا اور ویسے ہی خراٹے لینے لگا، دیہاتی نے پھر اسے اٹھا دیا وہ پھر کچھ دیر میں سو رہا اور ویسے ہی خراٹے لینے لگا، اب تو دیہاتی سے نہ رہا گیا اس نے نکال خنجر اس غریب کا کام تمام کر دیا کہ اب تو خراٹے نہ لے گا، صبح ہوئی لوگ نماز کو آئے تو مسجد میں خون ہی خون دیکھا، پوچھا خان اس مسافر کو کس نے مارا تو آپ بے تکلف فرماتے ہیں کہ ہم نے مارا یہ ہمارے مراقبہ میں خلل ڈالتا تھا۔ سبحان اللہ آپ کا مراقبہ نہ جائے چاہے کسی کی جان جاتی رہے۔

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

یہ تو وہی مثل ہوئی کہ گڑ کھاویں اور گلگلوں سے پرہیز، قتل تو کر دیں مگر مراقبہ نہ چھوٹنے پائے۔ استغفر اللّٰہ العظیم

کاموں کی اقسام

یہ سب باتیں جہالت سے پیدا ہوتی ہیں لوگ بوجہ جہالت کے بھی نہیں سمجھتے کہ شرعاً کون سا کام ضروری ہے اور کون سا غیر ضروری ہے اسی لیے علم کی ضرورت ہے

(۱) برائی کو روکنے میں

کم از کم علماء کی صحبت ہی ہو تو ایسی غلطیاں پھر نہیں پیش آتیں، الغرض تین قسم کے افعال ہیں ایک وہ جن میں دنیا کا یا دین کا نفع ہو یہ تو ضروری ہیں دوسرے وہ جن میں دنیا کا یا دین کا ضرر ہو ان کا ترک ضروری ہے۔ تیسرے وہ جن میں نہ دنیا کا نہ دین کا نفع ہے نہ ترک میں ان دونوں کا ضرر ہے یہ قسم لا یعنی ہے۔ حدیث ''من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه ''(۱) میں اسی قسم کے افعال کو چھوڑنے کی ترغیب دی گئی۔ جناب رسول اللہ ﷺ ایسے افعال سے منع فرماتے ہیں مگر اس کی طرف کسی کو بھی التفات نہیں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اتقیاء کی شکایت کرتا ہوں کیونکہ ہم جیسوں کے تو بہت سے گناہ ہیں ہم لوگ جب گناہوں میں مبتلا ہیں تو لا یعنی امور میں ہمارا ابتلاء چنداں (۲) عجیب نہیں ہم تو کہیں غیبت کرتے رہتے ہیں کہیں بدنگاہی میں مبتلا ہیں۔ غرض سر سے پیر تک گناہوں میں غرق ہیں پھر ہم لا یعنی امور میں بھی اگر مبتلا ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔

مقام افسوس

مگر افسوس اتقیاء پر ہے جو تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں مگر لا یعنی امور سے بچنے کا ذرا فکر نہیں کرتے۔ بس حضرت شیخ ہاتھ میں تسبیح لیے بیٹھے ہیں تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھتے رہیں کہ ان کا دل مشغول بحق ہے مگر ساتھ ہی ہنسی دل لگی بھی ہو رہی ہے۔ صاحبو! فضول باتوں سے قلب میں وہ ظلمت پیدا ہوتی ہے جس سے ذکر واذکار کا سارا اثر ڈھل جاتا ہے مگر اس کا ادراک (۳) ہر شخص کو نہیں ہوسکتا جس کا دل نورانی ہو اسے اس ضرر کا ادراک ہوتا ہے (۴)۔ کالے توے پر اگر تھوڑی سی سیاہی اور لگ جائے تو اس پر کیا اثر محسوس ہوسکتا ہے ہاں شفاف آئینہ کو دیکھو کہ اس پر ذرا سی بھاپ سے بھی میلا پن آجاتا ہے اور فوراً فرق محسوس ہوتا ہے۔

بعض بزرگوں کا حال

چنانچہ جن لوگوں کے قلوب شفاف ہیں ان کے ایسے واقعات منقول ہیں ایک

(۱) اسلام کی خوبی یہ ہے کہ فضول کام ترک کردے (۲) کچھ تعجب کی بات نہیں (۳) احساس (۴) نقصان کا احساس ہوتا ہے

ذرا سی فضول بات سے کس قدر متاثر ہوئے ہیں۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ اپنے ایک دوست کے مکان پر گئے جا کر آواز دی اندر سے جواب ملا کہ گھر میں نہیں ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کہاں گئے ہیں جواب ملا معلوم نہیں کہاں گئے ہیں۔ بس اس کے بعد ان کو فوراً تنبہ ہوا کہ میں نے سوال فضول کیا کہ کہاں گئے ہیں (ممکن ہے کہ وہ کسی مخفی کام کے لیے گئے ہوں جس کا بتلانا مصلحت کے خلاف ہو تو میں نے خواہ مخواہ اپنے ایک مسلمان بھائی کا راز دریافت کیا) بس اتنی بات پر وہ تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے یہ سوال کیوں کیا کہ وہ کہاں ہیں۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ فضول بات کا اہل قلوب پر کتنا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ایک ڈاکٹر صاحب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رہ کر ہندوستان واپس آئے تھے کہ ایک مرتبہ ایک رئیس کی فٹن گاڑی میرے بلانے کے لیے آئی، میں نے سوار ہونے سے عذر کیا کہ قریب جگہ ہے ویسے ہی چلا جاؤں، انہوں نے اصرار کر کے بٹھلایا، بس گاڑی میں پیر رکھنا تھا وہ نور معاً سلب ہوگیا تو یہ امور جن کو ہم ہلکا سمجھتے ہیں صاف شفاف قلوب سے پوچھو کہ ان سے کس قدر ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ صاحبو! میں حرمت کا فتویٰ نہیں دیتا، میں یہ نہیں کہتا کہ ایسے امور کے ارتکاب سے گناہ ہوتا ہے، نہیں فتویٰ تو وہی ہے کہ گناہوں سے بچنا واجب ہے اور اتنی کاوش کی ضرورت نہیں مگر اس کا یہ تو مطلب نہیں ہوسکتا کہ یہ حدیث ہی پڑھنا فضول ہے۔

ضرورت اتباع

آخر یہ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ لایعنی امور کا ترک کر دینا اسلام کی خوبی ہے۔ اگر ہم سے بالکل ترک لایعنی نہ ہوسکے تو اس کی کثرت تو ترک کرنی چاہیے رہا یہ کہ اس کا ضرر کیا ہے تو جس طرح ترک لایعنی نہ ہوسکے تو اس کی کثرت تو ترک کرنی چاہیے۔ رہا یہ کہ اس کا ضرر کیا ہے تو جس طرح ترک لایعنی کے فائدہ کا احساس بھی نور قلب پر موقوف ہے اور اگر کسی کے دل میں نور نہ ہو تو اس کو کسی محقق کا قول مان لینا چاہیے، یا محقق کے مقلد کی تقلید کر لینی چاہیے۔ قاعدہ ہے کہ یا تو آدمی خود بینا ہو(۱) جب راستہ دیکھ سکتا ہے اور اگر خود اندھا ہے تو اس کو کسی سوا نکھے (۲) کی تقلید کرنی

(۱) راستہ دیکھنے کی قوت (۲) آنکھوں والے کی

ضروری ہے اگر اندھے آدمی سے ایک سوانکھا یہ کہے کہ اس راستہ میں گڑھا ہے اس سے بچ کر چلو عقلاء یہی کہیں گے کہ اندھے پر اس کی تقلید واجب ہے پھر حیرت ہے کہ دین کے باب میں محققین کا قول نہ مانا جائے۔

فضول باتوں سے پرہیز

سید المحققین سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''کثرة الکلام تقسوا القلب''(۱) زیادہ باتیں بنانا دل کو سخت کردیتا ہے۔ حدیث میں ہے'' کثرة الضحك تمیت القلب''(۲) زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کردیتا ہے۔ کیا اب بھی کسی کو اس میں شک ہے کہ فضول (اور لایعنی) باتوں سے دل کی صفائی اور نور زائل ہوجاتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہم تو رات دن ہنستے رہتے ہیں ہمارا دل تو مردہ نہیں ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ تجھ کو حیات قلب نصیب ہی نہیں ہوئی جس سے کہ موت قلب کا احساس ہو'' الاشیاء تعرف باضدادھا'' (۳) غضب یہ ہے کہ جس طرح دنیا والے شطرنج و گنجفہ سے دل بہلاتے ہیں اسی طرح آج کل اتقیاء کے یہاں لغو اور فضول باتیں دل بہلانے کا مشغلہ ہوگئی ہیں۔ بس تسبیح ہاتھ میں لے لی اور دنیا بھر کی باتیں بنا رہے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ذکر سے جو نور قلب حاصل ہوا تھا وہ زائل ہوجاتا ہے اور نور قلب کے زائل ہونے سے طاعت (۴) کا شوق کم اور ہمت میں پستی آجاتی ہے اور جہاں شوق و ہمت میں کمی آئی پھر گناہوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے کیونکہ گناہ سے بچنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک شوق و محبت دوسرے ہمت اور یہ دونوں باتیں نور ذکر سے پیدا ہوتی ہیں جب ان لغویات (۵) سے وہ نور ہی زائل ہوگیا تو شوق و ہمت میں کمی آنا لازمی ہے پھر اس شخص کا گناہوں میں مبتلا ہوجانا کچھ بھی عجیب نہیں (۶) کیونکہ اب وہ روک (۷) ہی نہیں رہی جس کے ذریعے گناہوں کی نفرت دل میں جم جاتی ہے بس لایعنی امور کا ارتکاب گو خود معصیت نہ ہو مگر معصیت (۸) کا ذریعہ ضرور ہے اب تو آپ کو اس کے ترک کا

(۱) فتح الباری لابن حجر: ۱۰/ ۴۴۶ (۲)'' اتحاف السادۃ المتقین: ۵/ ۱۴۷، ۷/ ۳۹۴ (۳)'' اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں'' (۴) نیکی (۵) فضول باتوں سے (۶) کوئی تعجب کی بات نہیں (۷) رکاوٹ (۸) گناہ نہیں لیکن گناہ کا ذریعہ ہے۔

ضروری ہونا معلوم ہوگیا ہوگا۔ شیخ فرید عطار پندنامہ میں فرماتے ہیں:

دل زپر گفتن بمیر د در بدن گرچہ گفتارش بود در عدن(۱)

پندنامہ شیخ فریدالدین عطار

پند نامہ عجیب کتاب ہے اس کو دستور العمل بنانا چاہیے اس سے اصلاح کا زیادہ حصہ طے ہوجاتا ہے بس دریا کوکوزہ میں بھر دیا ہے۔ شیخ عطار نے یہ کتاب تالیف کر کے مولانا رومی کے والد صاحب کو دیدی تھی کہ اپنے صاحبزادے کو کتاب پڑھایئے گا اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ کیسی کتاب ہے۔ مولانا رومی نے بھی شیخ عطار کی کتاب کی بہت مدح فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ہفت شہر عشق را عطار گشت ماہنوز اندر خم یک کوچہ ایم(۲)

یعنی بہت ہی بڑے عارف ہیں جنہوں نے عشق کے تمام طبقے طے کرلیے ہیں۔ سوا تنا بڑا محقق کہتا ہے:

دل زپر گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارش بود در عدن

پرگفتن کے معنی بہت بک بک کرنا اور درعدن سے مراد بھڑک دار کلام ہے یعنی چاہے ظاہر میں کلام کیسا ہی خوش نما بھڑک دار ہومگر زیادہ کلام سے دل ضرور مرجاتا ہے۔

وضوء نماز سے نور پیدا نہ ہونے کی وجہ

صاحبو! آخر اس کی کچھ تو وجہ ہے کہ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں وضو بھی کرتے ہیں مگر پھر دل میں ہمارے نور نہیں پیدا ہوتا۔ حالانکہ نماز کے انوار اس قدر ہیں کہ شاید ہی کسی عبادت کے انوار اس قدر ہوں۔ اسی طرح وضو کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ وضو کے ہر قطرہ پانی کے ساتھ گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ نیز آپ نے صحابہؓ سے دریافت

(۱) ''دل زیادہ بک بک کرنے سے بدن میں مرجاتا ہے، مگر اس کی گفتگو نہایت پاکیزہ اور بھڑک دار ہے''

(۲) ''حضرت فریدالدین عطارؒ عشق ومعرفت کے ساتوں شہروں میں گھومے ہیں ہم ابھی تک عشق کی ایک گلی کے کنارے پر ہیں''

فرمایا کہ اگر کسی شخص کے گھر کے پاس نہر جارہی ہو جس میں وہ پانچوں وقت غسل کرتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ بھی میل رہ جائے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح مسلمان جب پانچوں وقت وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہوجاتا ہے پھر حیرت ہے کہ ہمارے دل میں نہ نماز سے نور پیدا ہوتا ہے نہ وضو سے، آخر اس کی وجہ کیا ہے' تو خوب سمجھ لو کہ نور تو پیدا ہوتا ہے مگر وہ نور ذرا سا ہوتا ہے کیونکہ ہمارے قلوب پہلے ہی سے شفاف نہیں، پھر نماز اور وضو بھی ہم ایسے ہی معمولی طور پر ادا کرتے ہیں لیکن پھر بھی جس قدر نور پیدا ہوتا ہے وہ ہماری ان فضول اور لغو باتوں سے زائل ہوجاتا ہے حتی کہ دوسری نماز کے وقت کچھ بھی نور باقی نہیں رہتا۔ پھر دوسری نماز سے کچھ نور پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد لغویات کا شکار ہوگیا۔ یہی قصہ روزانہ چلتا رہتا ہے جیسا کہ مولانا نے مثنوی میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک چور چوری کرنے گیا تھا، جب کچھ آہٹ ہوئی تو مالک کی آنکھ کھل گئی۔ پہلے زمانہ میں دیا سلائی تو نہ تھی جس سے فوراً چراغ روشن ہوجائے، چقماق (۱) سے کام لیا کرتے تھے۔ اس نے ایک سوکھی لکڑی پر چقماق سے چنگاری جھاڑی وہ چور بھی قریب آبیٹھا۔ جب وہ چنگاری ستارے کی طرح چمکی اور لکڑی پر پڑی اس نے فوراً اپنا انگوٹھا اس جگہ رکھ دیا، وہ گل ہوگئی، غرض جب وہ ستارہ جھڑتا چور اس جگہ انگوٹھا رکھ دیتا جس سے آگ بڑھنے نہ پاتی۔ مولانا فرماتے ہیں:

بس ستارہ آتشم آہن چکید (۲)

بغل کا چور

مولانا فرماتے ہیں کہ نماز وضو وغیرہ سے نور تو ضرور پیدا ہوتا ہے کیونکہ خدا ورسول ﷺ کا فرمان سچا ہے مگر ہماری بغل میں چور بیٹھا ہوا ہے جہاں ذرا نور پیدا ہوا وہ فوراً انگوٹھا رکھ دیتا ہے جس سے نور بڑھنے نہیں پاتا بلکہ جس قدر پیدا ہوتا ہے ساتھ ساتھ گل ہوجاتا ہے۔ صاحبو! وہ چور کا انگوٹھا یہی ہماری فضول اور لغو باتیں ہیں جس سے

(۱) ایک قسم کا پتھر جس کے رگڑنے سے چمک پیدا ہوتی تھی (۲) ''بس ستارہ آتش لوہے سے جڑا''

طاعات کا نور سلب (۱) ہوجاتا ہے اول تو ہماری طاعات میں نور ہی کہاں۔ اس کی مثال تو پہلے ہی سے ایسی ہورہی ہے جیسے کوئی منہیار چوڑیاں لیے جارہا تھا، ایک گاؤدی (۲) نے اس میں لاٹھی کا کھودا مار کر پوچھا کہ میاں اس میں کیا چیز ہے ان گنواروں کی عادت ہوتی کہ لاٹھی کا کھودا مار (۳) کر پوچھا کرتے ہیں، منہیار (۴) نے کہا کہ ایک کھودا اور مار دو تو کچھ بھی نہیں۔ یعنی اس میں ایسی نازک چیز ہے دوسری مار میں ختم ہوجائے گی۔ یہی حال ہمارے نور کا ہے کہ بس شیطان کی ایک ضرب لگ جائے تو کچھ بھی نہیں نہ کہ اس پر اتنی ضربیں پڑتی ہوں کہ ہم رات دن فضول باتیں کرکے پھونکیں مار مار کر خود ہی اس کو گل کرتے ہیں۔ صاحبو! نور بڑھتا ہے دھونکنے سے شیطان ہماری دھونکنی (۵) چرا کر لے گیا ہے اس لیے وہ بڑھنے نہیں پاتا پھر جس قدر پیدا ہوتا ہے وہ سات سات بجھتا جاتا ہے جمع نہیں ہونے پاتا، اس لیے ہم کورے کے کورے رہ جاتے ہیں۔

ذکر سے نور پیدا نہ ہونے کی وجہ اور اس کی مثال

بعض ذاکرین شکایت کیا کرتے ہیں کہ ہم کو ذکر سے نفع نہیں ہوتا، دل میں نور نہیں آتا، اس کا جواب یہی ہے کہ نور کہاں سے پیدا ہو۔ جب تم ایک گھنٹہ ذکر کرکے چار گھنٹے فضول بک بک میں لگاتے ہو وہ جس قدر بھی پیدا ہوتا ہے تم اس سے زیادہ ظلمت پیدا کردیتے ہو۔ دیکھو حوض میں اس وقت پانی ہوسکتا ہے جب کہ نیچے کی ڈاٹ بند ہو اور اگر ڈاٹ کھلی ہوئی ہوگی تو تم اوپر سے بھروگے اور نیچے سے وہ نکلتا رہے گا۔ حوض خالی کا خالی رہے گا اور اگر اوپر سے پانی کے ساتھ خس وخاشاک (۶) بھی بھرتے رہوگے تو وہ اٹ (۷) جائے گا اور کیچڑ جمع ہوکر سڑاہند (۸) پیدا کردے گا۔ پھر چند دنوں میں پانی خشک ہوجائے اور کوڑا ہی کوڑا رہ جائے گا۔ بعض ذاکرین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ زیادہ بک بک نہیں کرتے مگر ان کو ذکر سے اس لیے نفع نہیں ہوتا کہ ان میں کبر و حب جاہ (۹) ہوتی ہے۔ حضرت شبلیؒ کے ایک مرید نے ان سے شکایت کی کہ ذکر

(۱) نیکیوں کا نور ختم ہوجاتا ہے (۲) بے وقوف (۳) لاٹھی کا سرا (۴) چوڑیاں بیچنے والی (۵) پھونک مار کر آگ بھڑکانے کا آلہ جس کو پھونکنی کہتے ہیں (۶) گھاس پھونس (۷) بھر جائے گا (۸) بدبو (۹) تکبر اور اقتدار کی محبت۔

سے نفع نہیں ہوتا۔ شیخ نے اس کو کچھ اور بتلادیا جب بار بار شکایت کی تو شیخ نے توجہ سے مرض دریافت کیا، معلوم ہوا کہ اس میں کبر ہے۔ آپ نے اس کے علاج کی تدبیر کی، فرمایا کہ یہ اخروٹوں کا ٹوکرا فلاں محلہ میں اپنے سر پر رکھ کر لے جاؤ (اس محلّہ میں اس کے معتقدین زیادہ تھے) اور لوگوں سے کہنا کہ تمہارے سر پر دھولیں ماریں اور فی دھول ایک اخروٹ لے لیں اس نے کہا اللہ اکبر میں ایسا کروں۔ شیخ نے فرمایا اے شخص یہ وہ کلمہ ہے کہ اگر کافر صد سالہ اسے کہتا تو مومن ہوجاتا مگر اس وقت تُو اس کے کہنے سے کافر ہوگیا کیونکہ اس نے اللہ اکبر اس لیے نہ کہا تھا کہ خدا کی بڑائی بیان کرے بلکہ اس نے اپنی بڑائی بیان کرنے کے لیے اللہ اکبر کہا تھا۔ عارفین نے لکھا ہے کہ سالک کے سر پر سے تکبر تمام امراض کے بعد نکلتا ہے اور جہاں یہ خبیث مادہ نکلا پھر وہ بہت جلد واصل ہوجاتا ہے تو گویا خدا اور بندے کے درمیان صرف خودی حائل ہے۔ یہ خودی جاتی رہے تو پھر کوئی حجاب نہیں۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں:

میان عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز (۱)

قرب الی اللہ

حضرت بایزیدؒ نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، موقع اچھا تھا انہوں نے موقع کا سوال بھی کیا، عرض کیا ''یا رب دلنی علی اقرب الطریق الیك'' یعنی مجھ کو ایسا راستہ بتلادیجئے جو آپ کی طرف پہنچنے کے لیے سب سے زیادہ نزدیک ہو، وہاں سے ارشاد ہوا ''یا بایزید دع نفسك وتعال'' اے بایزید بس اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ۔ مطلب وہی ہے کہ خودی اور کبر کو زائل (۲) کردو پھر کوئی حجاب (۳) نہیں۔ واقعی بہت ہی مختصر اور قریب راستہ بیان فرمایا اور حق تعالیٰ سے زیادہ اس بات کو کون بتلاسکتا ہے تو یہ کبر وہ بلا ہے جس کی وجہ سے سارا ذکر وشغل (۴) بے کار ہوجاتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کے مرید کو ذکر وشغل سے

(۱) ''محبوب اور محب کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں، اے حافظ تو اس حجاب خودی کو درمیان سے اتار کر پھینک دے'' (۲) تکبر کو ترک کرو (۳) پردہ (۴) ذکر ومراقبات

نفع نہ ہوتا تھا، شیخ نے بہت سی تدابیر کیں مگر سب بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر ایک دن انہوں نے اس کو بلا کر پوچھا کہ بھائی تم جو ذکر و شغل کرتے ہو اس میں تمہاری نیت کیا ہے۔ کہنے لگا میری نیت یہ ہے کہ حق تعالیٰ میری اصلاح کر دیں تو میں دوسروں کی اصلاح کروں، مخلوق کو نفع پہنچاؤں، فرمایا کہ اب چور معلوم ہوا، تم پہلے ہی بڑے بننے کی فکر میں ہو اس لیے نفع (۱) نہیں ہوتا، اس خیال کو دل سے نکالو اور مخلوق کے نفع کو چولہے میں ڈالو محض رضاء حق کی نیت رکھو اور تمام خیالات دل سے دور کرو۔ چنانچہ وہ شخص طالب تھا، نیت درست کر لی۔ اگلے ہی دن سے نفع شروع ہو گیا، خوب سمجھ لو۔ یہ حب ریاست بھی بڑا سدراہ ہے (۲)، لوگ ذکر شروع کر کے اگلے ہی دن سے پیر بننے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں ایسی مثال ہے جیسے لڑکا بلوغ سے پہلے ہی باپ بننا چاہے تو بجز (۳) اس کے کہ اپنی صحت کو خراب کر لے گا اور کچھ نفع نہ ہوگا۔

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی تا راہ بین نباشی کے راہبر شوی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ رزوی پدر شوی (۴)

اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہ کبر کیسی مضر (۵) چیز ہے سالکین اپنے ان امراض کی اطلاع تو شیخ کو کرتے نہیں، ان کو تو بلی کی گوہ کی طرح چھپاتے ہیں (۶) کیونکہ ڈرتے ہیں کہ ان کا علاج کیا جائے گا اور وہ علاج ہم کو ناگوار ہوگا۔ جیسے حضرت شبلی نے اس مرید کا علاج کیا تھا کہ فی دھول (۷) ایک اخروٹ بانٹتے جاؤ اور دھولیں کھاتے جاؤ، پھر شیخ کی شکایت بیجا کرتے ہیں کہ ہم کو اتنے دن سر رگڑتے ہو گئے ہیں، نفع ہی نہیں ہوتا۔ کچھ توجہ ہی نہیں فرماتے۔ وہ توجہ کیا خاک کریں جب تک یہ متعفن مادہ مسہل (۸) کے ذریعے سے نہ نکالا جائے اس وقت تک توجہ بھی نفع نہیں دے سکتی۔ اطباء لکھتے ہیں کہ

(۱) فائدہ (۲) اقتدار کی محبت راستہ کی بڑی رکاوٹ ہے (۳) سوائے اس کے (۴) ''اے بے خبر کوشش کر کہ تُو خبردار ہو جائے جب تک تُو راہ میں (راستہ دیکھنے والا) نہیں ہوگا تو اس وقت تک راہبر بھی نہیں بن سکتا، حقائق کے مدرسہ میں ادیب عشق کے سامنے اے لڑکے کوشش کر کہ کسی دن باپ یعنی مصلح بن جائے گا'' (۵) نقصان دہ (۶) جیسے بلی اپنے پخانے کو چھپاتی ہے (۷) ایک جوتے کے عوض ایک اخروٹ (۸) بدبودار مادہ بذریعہ دستوں کے پیٹ سے نکل نہ جائے۔

جب مزاج پر کسی خلط (۱) کا غلبہ ہوتا ہے تو دودھ مضر ہوتا ہے کیونکہ یہ لطیف غذا ہے جلد خلط غالب کی طرف مستحیل ہوجاتا ہے (۲)، دودھ کا نفع جب ہی ہوتا ہے جب کہ مزاج کا تنقیہ (۳) کر کے اعتدال پیدا کرلیا جائے۔ اسی طرح توجہ کا نفع رذائل کے تنقیہ (۴) کے بعد ہوتا ہے۔

مباحات سے اجتناب کی وجہ

اور جن بزرگوں کے واقعات آپ نے سن رکھے ہیں کہ وہ اپنے پیر کی ایک توجہ سے کامیاب ہوگئے وہ ان رذائل سے پہلے ہی پاک ہوچکے ہیں، استعداد کامل موجود تھی، صرف دیا (۵) سلائی لگانے کی دیر تھی، توجہ دیا سلائی ہے۔ اس کا لگانا تھا کہ آگ بھڑک اٹھی، کام بن گیا، گیلی لکڑی میں ہزار دیا سلائیاں لگاؤ کبھی آگ جل کر نہ دے گی لیکن دھواں بہت اٹھے گا جس سے سارا گھر سیاہ اور پاس والے پریشان ہوجائیں گے، دھوئیں سے مراد جھوٹے دعوے ہیں۔ یعنی جس کا رذائل سے تنقیہ نہ ہوا ہو (۶) اس کو اگر چہ توجہ دی جائے اور اس سے کچھ کیفیات طاری ہونے لگیں تو وہ رات دن ڈینگیں ہانکتا پھرے گا کہ میں ایسا ہوں کہ میں ویسا ہوں بس اس کے سوا اور کچھ نفع نہ ہوگا اور اگر کسی میں یہ معاصی کبر وحب جاہ وغیرہ نہ بھی ہوں تو یہ لغو اور فضول باتیں بنانے کا مرض سب ہی میں ہے اس سے سارا کیا کرایا کام برباد ہوجاتا ہے تو یہ باتیں اگر معاصی میں (۷) داخل نہ ہوں مباحات ہی میں داخل ہوں مگر ان کی تاثیر یہ ہے کہ نور قلب کو بجھادیتی ہیں، گو گناہ نہ ہوتا ہو، جیسے پانی اگر چہ فی نفسہ طاہر ومطہر ہے (۸) کپڑے کو صاف کر کے سفید بنادیتا ہے لیکن آگ کو بجھا ہی دیتا ہے اس کی وجہ کیا ہے، وجہ صرف یہ ہے کہ آگ اور پانی کے مزاج میں اختلاف ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھو کہ مباحات گو فی نفسہ پاک ہوں، ان سے گناہ نہ ہوتا ہو مگر یہ نور جو قلب میں طاعات

(۱) طب میں چار خلطیں ہیں یعنی صفرا، خون، بلغم، سودا، جب ان میں سے کسی ایک میں زیادتی ہوجائے تو دودھ پینا نقصان دہ ہے (۲) کیونکہ یہ عمدہ غذا ہے جس خلط کا غلبہ اس کو بڑھائے گا (۳) مزاج کی صفائی ہو کر اعتدال پیدا کرے (۴) بری خصلتوں سے نجات کے بعد ہی شیخ کی توجہ کا فائدہ ہوتا ہے (۵) ماچس جلانے کی دیر ہے (۶) جس کے برے اخلاق کی صفائی نہ ہوئی ہو (۷) گناہ (۸) پاک ہے اور دوسروں کو پاک کرنے والا

وذکر سے پیدا ہوتا ہے یہ طاعات سے تو بڑھتا ہے لیکن فضول مباحات سے بجھ جاتا اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ نور قلب کے مزاج کے لیے مباحات (۱) موافق نہیں آتے اس لیے سالک (۲) کو جس طرح معاصی سے اجتناب (۳) لازم ہے اسی طرح بعضے مباحات سے بچنا بھی ضروری ہے۔ (یعنی امور سے) باقی اس کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ کے سوا کچھ نہیں۔ آزما کر دیکھ لیجئے کہ ایک دن آپ دس گھنٹے ذکر کریں اور دو گھنٹے فضول بک بک کریں اس روز دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور ایک دن صرف دو گھنٹے ذکر کریں اور لایعنی امور سے پرہیز کریں اس دن قلب کی کیا حالت ہوتی ہے دونوں دنوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ کسی نے سچ کہا ہے:

چشم بند ولب بہ بند دگوش بند گر نہ بینی نورحق بر مانجند (۴)

لایعنی امور

اور لایعنی امور (۵) صرف باتوں ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جس طرح بعضے اقوال (۶) لایعنی ہوتے ہیں اسی طرح بعضے افعال لایعنی (۷) ہوتے ہیں بعضے اموال لا یعنی ہوتے ہیں، سب کو ترک کرنا چاہیے، پس لا یعنی کی تین قسمیں ہوئیں، اقوال، افعال، اموال فضول باتیں تو یہ ہیں کہ مجلس جما کر بیٹھ گئے اور اِدھر اُدھر کے قصے کہنے شروع کر دیئے۔ ایک کہتا ہے کہ متھرا (۸) میں پیڑے اچھے ہوتے ہیں۔ دوسرا کہتا کہ نہیں اناؤ (۹) میں اچھے پیڑے ہوتے ہیں، بھلا ان فضول باتوں میں کوئی نفع بھی نہیں ہے۔ سوائے وقت ضائع کرنے کے اناؤ کے پیڑوں پر مجھے ایک قصہ ہنسی کا یاد آیا کہ دو شخص لکھنؤ سے کان پور جانے کو ریل میں سوار ہوئے، راستہ میں اناؤ کا اسٹیشن آیا، وہ کہنے لگے یہاں کے پیڑے بہت مشہور ہیں، ایک تیسرا شخص بھی وہاں بیٹھا تھا، وہ بولا جی ہاں مشہور تو بہت ہیں مگر اب پہلے جیسے نہیں رہے، میں نے پیڑے خریدے ہیں ان کو چکھ لیجئے پھر خریدنے کا قصد کیجئے گا پھر دو پیڑے جو خریدے تھے پیش کر دئے اس پر

(۱) جائز کام (۲) تصوف کا طریق اختیار کرنے والے کو (۳) بچنا (۴) ''ظاہر میں چشم ولب اور کان کو بند کرو، اس پر بھی اگر خدا کا نور نہ دیکھو تو مجھ پر ہنسنا'' (۵) فضول کام (۶) بعض گفتگو بیکار ہوتی ہے (۷) بعض کام بے کار ہوتے ہیں (۸) جگہ کا نام ہے (۹) ایک بستی ہے

ان دونوں میں سے ایک صاحب نے چکھنے کے لیے ایک پیڑا اٹھالیا، اس شخص کو بہت ناگوار ہوا(۱)، اس نے دوسرا پیڑا دوسرے رفیق کے سامنے پیش کر دیا کہ اس کو آپ چکھ لیجئے (۲)۔ وہ کہتے تھے کہ اس بات سے مجھے ندامت ہوئی (۳) کہ سر اوپر کو نہ اٹھتا تھا، پھر وہ پیڑے والا کانپور اترا ہم نے اس شخص کو سواری کرایہ نہ کرنے دی اور اس کو بھی اپنے ساتھ سوار کرلیا کہ اسی طرح اس ندامت کا معاوضہ (۴) ہوجائے مگر پھر بھی اس سے طبیعت ایسی شرماتی رہی کہ اپنی یہ ساری خاطر تواضع خاک میں ملی جاتی تھی بعض دفعہ مجلسوں میں چاولوں کی قسمیں بیان ہوتی ہیں ایک کہتا ہے کہ دہر (۵) کے چاول اچھے ہوتے ہیں ایک کہتا ہے کہ پیلی بھیت (۶) کے عمدہ ہوتے ہیں غرض انہی فضولیات میں مجلس گرم رہتی ہیں، بعض لوگوں کو فضول سوالات کرنے کا مرض ہوتا ہے کہ ایسے سوالات کرتے ہیں جن کی عمر بھر بھی ضرورت پیش نہ آئے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب ریل میں سوار ہوئے تھے، اسٹیشن پر کسی کام کو اتر کر چلے گئے، پیچھے کچھ جنٹلمین اسی گاڑی میں آ گھسے، یہ لوگ آزاد، بے باک ہوتے ہی ہیں، انہوں نے مولوی صاحب کا اسباب (۷) تختہ سے پھینک دیا اور اپنا سامان رکھ دیا۔ جب وہ لوٹ کر آئے تو اسباب منتشر پایا، پوچھا کہ میرا اسباب کس نے پھینکا ہے، کوئی بڑا ہی نالائق ہے، لڑکوں نے اقرار کیا کہ حضرت یہ نالائق حرکت ہم سے ہوئی ہے انہوں نے ان کی خوب کوری کوری سنائی (۸) کہ تم لوگ بڑا تہذیب کا دعویٰ کرتے ہو مگر تم میں خاک تہذیب نہیں ہے، تم بڑے بے تہذیب ہو، لڑکے سب کچھ سنتے رہے اور بہت شرمندہ ہوئے، جب گاڑی چل پڑی اور مولوی صاحب بھی اطمینان سے بیٹھ گئے۔

شریعت کی توہین

تو اب ان لڑکوں کو شرارت سوجھی، انہوں نے مولوی صاحب سے بدلہ لینا چاہا کہ ان سے کوئی ایسا سوال کرنا چاہیے جس کا جواب ان سے نہ بن پڑے تاکہ یہ شرمندہ

(۱) کیونکہ چکھنے کو کہا تھا نہ کھانے کو چکھنے کے لیے تھوڑا سا پیڑا توڑ کر کھانا چاہئے تھا (۲) تنبیہ کرنے کے لیے دوسرے ساتھی کو پیش کیا کہ اگر چکھنے کا یہی مطلب ہے تو یہ تم کھالو میں صبر کرلوں گا (۳) شرمندگی (۴) بدل (۵) جگہ کا نام ہے (۶) ایک بستی ہے (۷) سامان (۸) برا بھلا کہا۔

ہوں۔ چنانچہ ایک آگے بڑھا اور مولوی صاحب سے پوچھنے لگا کہ مولانا نماز کے (۱) وقت فرض ہے انہوں نے کہا کیا آپ کو اب تک اتنی خبر بھی نہیں، کہنے لگا جی ہاں ہم تو ایسے ہی جاہل ہیں، آپ بتلا دیجئے انہوں نے بتلا دیا کہ پانچ وقت فرض ہے، کہنے لگا ہر زمانہ میں اور ہر شہر میں، انہوں نے کہا ہاں ہر حالت میں دن رات کی پانچ ہی نمازیں ہیں، کہنے لگا پھر جن مقامات میں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے، کیا وہاں بھی پانچ ہی نمازیں فرض ہوں گی تو وہاں سال بھر میں پانچ نمازیں ہوئیں۔ مولوی صاحب نے اس سوال کا بہت معقول جواب دیا، فرمایا کہ تم کو وہاں جانا ہے؟ کہا نہیں، فرمایا کیا تم وہاں سے آئے ہو؟ کہا نہیں، فرمایا جب تم کو نہ وہاں جانا ہے نہ وہاں سے آئے ہو، پھر تم کو ایسی جگہ کے بارے میں سوال کرنا فضول ہے، کام کی باتیں پوچھو فضول وقت ضائع نہ کرو، جواب نہایت معقول تھا مگر ان کے مذاق کے موافق نہ تھا اس لیے ان کو قدر نہ ہوئی اور یہ سمجھ کر سب لڑکے ہنسنے لگے کہ ہم نے مولوی صاحب کو چپ کرا دیا، وہ لڑکے تو ہنسے ہی تھے وہاں ایک صاحب پختہ عمر کے بھی بیٹھے تھے جو باوجود جنٹلمین ہونے کے پابند صوم وصلوٰۃ بھی تھے۔ وہ بھی ہنسنے لگے۔ مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ بھی اس گاڑی میں سوار تھے، وہ فرماتے تھے کہ مجھے اس شخص کے ہنسنے پر بڑا غصہ آیا کہ اس بیوقوف کو کیا ہو گیا کہ نماز کا پابند ہو کر ایک شرعی بات پر ہنستا ہے، میں نے اپنے جی میں کہا تجھے تو میں ٹھیک بناؤں گا، میں اس کے پاس گیا اور سلام کر کے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا کہ آپ کا نام کیا ہے مکان کہاں ہے، شغل معاش کیا ہے، معلوم ہوا کہ سرکاری ملازم ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے ذمہ سرکاری کام کتنے گھنٹہ روزانہ ہے، بولے چھ گھنٹے میں نے کہا ہر موسم میں خواہ دن چھوٹا ہو یا بڑا کہنے لگے ہاں ہر موسم میں، میں نے کہا بھلا اگر گورنمنٹ کی حکومت اس علاقہ میں ہو جائے جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے اور گورنمنٹ آپ کو وہاں متعین کر دے کسی کام پر کیا وہاں بھی آپ دن بھر میں چھ گھنٹے کام کریں گے، اگر وہاں بھی یہی رہا تو یوں کہو کہ سال بھر میں صرف چھ گھنٹے ہی کام ہوگا۔ کہنے لگے کہ وہاں گھڑی گھنٹے سے حساب لگا لیں گے۔ مولانا نے کہا

(۱) دن میں کتنی مرتبہ اور کس کس وقت فرض ہے

کہ افسوس ہے کہ تمہارے ایمان اسلام پر، کہ یہی سوال ایک دین کے کام کے لیے کیا گیا تو یہ جواب وہاں آپ کو نہ سوجھا اور گورنمنٹ کے کام کے لیے فوراً عقل آ گئی کہ گھڑی گھنٹہ سے حساب لگالیں گے۔ صاحب تم اپنے ایمان کی خیر مناؤ کہ تم ایک عالم کے شرعی جواب پر ان بے باک لڑکوں کے ساتھ ہوکر ہنسے تم نے شریعت کی توہین کی تمہارا ایمان نہ کہیں سلب ہوگیا ہو، بے چارے پر نماز روزہ کا اتنا اثر تھا کہ اس کو ایمان سے محبت تھی، سلب ایمان کا لفظ سن کر اس کے ہوش اڑ گئے، اور روتا ہوا مولانا کے قدموں میں گر پڑا کہ مولانا میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں، واقعی مجھ سے خطا ہوئی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اس کا سر قدموں سے نہ اٹھایا کہ اچھا ہے اس متکبر کا دماغ تو درست ہو، دیر کے بعد اس نے سر اٹھایا تو میں نے ان کو نصیحت کی کہ دین کی بات پر اس طرح نہ ہنسنا چاہیے جس سے مسئلہ دین کی توہین لازم آجائے، مولانا کا جواب تو بتقدیر تسلیم تھا کہ اگر بالفرض وہاں کوئی پہنچ جائے تو کیا کرے، ظاہر ہے کہ حساب لگا کر سال بھر کی نمازیں پڑھی جائیں گی لیکن تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ایسے مقامات پر سردی اس قدر ہے کہ سمندر تک برف سے جمے ہوئے ہیں وہاں انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں اس لیے یہ سوال ہی سرے سے لغو ہے۔ (۱)

لوگوں کی عادت

اسی طرح ایک شخص نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں آپ کے نزدیک کون حق پر تھا، فرمایا تم کو اس سے کیا مطلب میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ قیامت میں تم سے اس کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا نہ ان کا مقدمہ فیصلہ کے لیے تمہارے پاس آئے گا اور اگر تم سے سوال ہوا تو تم اللہ تعالیٰ کے سامنے میرا نام لے دینا کہ میں نے اس سے سوال کیا تھا اس نے مجھ کو جواب نہیں دیا۔ واقعی خوب جواب دیا۔ اسی طرح آج کل یہ عادت ہے کہ جہاں کوئی مولوی باہر کا کسی شہر میں پہنچا اور لوگوں نے اس سے سوال کرنا شروع کیے یہ بھی بہت برا مرض ہے

(۱) بیکار

کیونکہ پردیسی آدمی کو شہر کے واقعات پوری طرح معلوم نہیں ہوتے اور پوچھنے والے بوجہ جہل کے پوری بات بیان نہیں کرتے، وہ جتنی بات سنتا ہے اس کے موافق جواب دیتا ہے اس کو یہ لوگ فتویٰ قرار دے کر وہاں کے علماء سے الجھتے ہیں کہ تم نے تو یہ کہا تھا اور فلاں عالم یہ فرما گئے ہیں حالانکہ ممکن ہے کہ وہاں کے علماء کو واقعہ کی پوری تحقیق ہو جس کی بناء پر انہوں نے دوسرا جواب دیا ہو اسی لیے میری عادت ہے کہ سفر میں ایسے سوالات کے جواب نہیں دیا کرتا، کہہ دیتا ہوں کہ سوال کی پوری صورت حال لکھ کر ڈاک میں میرے پاس بھیج دینا، اطمینان سے جواب دوں گا اس کے بعد اگر وہ کسی سے الجھے گا تو جواب کے ساتھ لوگ اس کے سوال کو دیکھ لیں گے کہ اس نے سوال کس طرح کیا تھا اور زبانی سوال کے جواب میں لوگ صرف جواب کو نقل کر دیتے ہیں اپنے سوال کو پورا نقل نہیں کرتے کہ ہم نے سوال کس طرح کیا تھا۔ میں ایک مرتبہ رام پور گیا تو وہاں ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ گیارہویں کرنا کیسا ہے میں سمجھ گیا کہ اس کا مقصود میرے مسلک پر عمل کرنا نہیں ہے بلکہ محض مجھے بدنام کرنا ہے کہ یہ وہابی ہے اس لیے میں نے اس سے یہ سوال کیا تم عمل کے واسطے پوچھتے ہو یا امتحان کے واسطے اگر عمل کے واسطے پوچھتے ہو تو تم کو شہر کے علماء سے پوچھنا چاہیے جن کی دین داری اور تقویٰ کا تم کو تجربہ ہے مجھ سے تم واقف نہیں ہو۔ صرف آج ہی آپ کی مجھ سے ملاقات ہوئی ہے ایک دن میں تم کو میری دیانت اور تقویٰ کا تجربہ نہیں ہوسکتا، میرے ساتھ کچھ دن رہو گے جب میری حالت سے واقف ہو گے اور اگر امتحان کے واسطے پوچھتے ہو تو تم کو میرا امتحان لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

مناظرہ کا شوق

جن لوگوں نے مجھ کو پڑھایا ہے وہ سہ ماہی اور ششماہی اور سالانہ امتحانات میرے لے چکے ہیں آپ سے میں نے کچھ پڑھا نہیں نہ پڑھنا چاہتا ہوں اس لیے آپ کو میرے امتحان کا کیا حق ہے بس اس جواب پر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ میں ان کے سامنے اپنا مسلک بیان کردوں، پھر مجھ میں اور وہاں کے علماء میں مناظرہ ہو۔ سو میں ایسا روگ نہیں پالتا۔ بعض علماء کو مناظرہ کا شوق ہوتا ہے وہ جہاں

جاتے ہیں مناظرہ کے لیے تیار ہوجاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مناظرہ کے بعد بھی لوگ تو اسی حال پر رہتے ہیں جس پر پہلے سے تھے ہاں ان کا وقت اچھی طرح برباد ہوتا ہے آج کل مناظروں میں اظہار حق کا مطلوب ہوتا نہیں محض ہار اور جیت مدنظر ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر فریق اسی کوشش میں ہوتا ہے کہ جس طرح ہوسکے دوسرے کی ہر بات کو توڑا جائے۔ چاہے اس کے منہ سے ایک دو بات سچی نکل جائے مگر یہ اس کو بھی رد کرنا چاہتے ہیں ایک مرتبہ رام پور میں نواب صاحب نے قادیانیوں سے اہل حق کا مناظرہ کرایا تھا جب میں وہاں سے لوٹا تو لوگوں نے مجھ سے مناظرہ کا حال پوچھا، میں نے کہا کہ امیروں کو بازیوں کا شوق ہوتا ہے آج مرغ بازی ہورہی ہے کل تیتر بازی، پرسوں بٹیر بازی، نواب صاحب کو مولوی بازی کا شوق ہوا تھا انہوں نے مناظرہ کرادیا کہ دو مولوی آپس میں کھڑے لڑرہے تھے، نواب صاحب کو لطف آرہا تھا، بس یہ حاصل تھا مناظرہ کا۔ سو واقعی آج کل کے مناظروں کا یہی حال ہے۔ بچپن میں مجھے بھی اس کا شوق تھا مگر جتنا پہلے شوق تھا اب اتنی ہی نفرت ہے۔ آج کل مناظرہ میں تو تو میں میں اور پھبتیاں (۱) بہت ہوتی ہیں جس سے سوائے اپنے مقابل کو رنج دینے کے کچھ مقصود نہیں ہوتا، بات بات میں رسالے بازی ہوتی ہے جس میں طرز تحریر ایسا اختیار کیا جاتا ہے جس سے مدمقابل کی خوب تحقیر وتوہین ہو۔ اسی لیے آج کل مناظرہ سے ضد اور عداوت بہت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک رسالہ کے جواب میں لکھا ہے مصنف رسالہ کے پیر کا نام مسکین شاہ تو مجیب نے اس کے پیر کے اوپر پھبتی کے طور سے یہ شعر لکھا ہے:

گر بہ مسکین اگر پر داشتے تخم کنجشک از جہاں برداشتے (۲)

بھلا اظہار حق میں اس پھبتی کو کیا دخل تھا کچھ بھی نہیں محض فضول وقت ضائع کرتے ہیں جس سے نفع کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے اسی لیے آج کل کے مناظرے بھی میرے نزدیک لایعنی میں داخل ہیں (البتہ اگر کسی جگہ مسلمانوں کا دین برباد ہونے کا اندیشہ ہو اور ان کے ایمان کی حفاظت کے لیے مناظرہ کی ضرورت ہو وہ موقع اس سے مستثنیٰ ہے مگر ایسے مناظرے سو میں ایک دو ہوتے ہیں، اکثر تو محض شوقیہ ہوتے ہی ہیں ۱۲ جامع)

(۱) ایسا جملہ جس سے کسی کا مذاق اڑانا مقصود ہو (۲) ''بلی مسکین اگر پر رکھتی ہوتی تو چڑیوں کا بیج دنیا سے کھودیتی''

آج کے مناظرے اور سلف کے مناظرے میں فرق

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے حماد کو وصیت فرمائی تھی کہ علم کلام (مناظرہ) میں مشغول مت ہونا۔ انہوں نے کہا کہ آپ مجھ کو اس سے منع فرماتے ہیں مگر میں نے آپ کو خود مناظرہ کرتے دیکھا ہے، فرمایا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے جب ہم مناظرہ کرتے تھے تو ہم یہ چاہتے تھے کہ دوسروں کی زبان سے حق کی بات نکلے اور ہم اس کو تسلیم کرلیں تاکہ میرے بھائی کی بات اونچی رہے اور وہ حق راستہ پر چلے اور اب ہر فریق یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کی زبان سے غلط بات ہی نکلے تاکہ میں اس کو رد کرسکوں تو اس زمانہ میں ہر شخص اپنے بھائی مسلمان کے لیے گمراہی کی تمنا کرتا ہے اس لیے اب مناظرہ میں پڑنا منع ہے۔ سبحان اللہ کیسی عجیب بات فرمائی اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سلف صالحین کے مناظرہ میں اور آج کل کے مناظرہ میں کتنا زمین آسمان کا فرق ہے ان کو درحقیقت اظہار حق ہی مطلوب تھا وہ فضول وقت ضائع نہ کرتے تھے نہ ان کو اس سے عار تھی کہ کوئی ہم کو ناواقف کہہ دے گا۔ مولانا عبدالقیوم صاحب بھوپالی سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ مسئلہ بتلادیتے اگر کوئی یہ پوچھتا کہ یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے تو آپ فرمادیتے کہ بھائی میں نومسلم نہیں ہوں میرے آباؤ اجداد سب مسلمان تھے جس طرح میں نے اپنے باپ کو عمل کرتے دیکھا ہے اسی طرح میں نے کیا اور وہ اپنے باپ کو دیکھ کر عمل کرتے تھے اور وہ اپنے باپ سے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دوسرے کو دیکھ کر عمل کرتے آرہے ہیں اسی لیے ہم کو حدیث معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں جو نومسلم ہوا سے حدیثیں معلوم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے آباؤ اجداد نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ عمل کرکے نہیں دکھلایا۔ تو مولانا کے اس جواب کا منشاء صرف یہ تھا کہ تو تو میں میں کے اندر وقت ضائع نہ ہو کیونکہ جاہلوں کو اگر حدیث بتلا بھی دی جائے تو وہ یہ کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ کس طرح مستنبط ہوا اس لیے ایک عامی شخص کا یہ سوال کرنا فضول ہے اور فضول سوال کا جواب دینا بھی فضول ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جواب نہ دینے سے بعض لوگ اس کو

ناواقف کہیں گے مگر سلف کو اس کی پرواہی نہ تھی کہ کوئی ہم کو کیا کہے گا وہ فضول باتوں پر پڑنے کو گوارا نہ کرتے تھے۔

علماء کی عادت

آج کل علماء کی عادت ہے کہ وہ سائل کے مذاق کا اتباع کرتے ہیں اور جہاں سے وہ دلیل طلب کرے اسی جگہ سے دلیل بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس سے بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے کیونکہ بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کے دلائل عوام کی فہم سے باہر ہوتے ہیں اب اگر ان کو دلیل کا عادی کر دیا جائے گا وہ ان مسائل کو بھی بلا دلیل نہ مانیں گے اور دلیل سمجھ نہ سکیں گے اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ عمل بھی نہ کریں گے تو یہ کتنا بڑا نقصان ہے بس اسلم طریقہ یہ ہے کہ لایعنی (۱) سوالات کا جواب نہ دیا جائے۔

فضول سوالات

ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ ایک عورت کا شوہر اور بھائی چوروں کے ہاتھوں سے مارے گئے وہاں سے ایک فقیر کا گزر ہوا، عورت کو روتا دیکھ کر رحم آیا اور عورت سے کہا کہ تم ان کے سر کو دھڑ سے جوڑ دو اور دعا میں کرتا ہوں، عورتوں نے سروں کو دھڑ سے جوڑ دیا مگر جلدی میں یہ غلطی کی کہ شوہر کا سر بھائی کے دھڑ پر لگا دیا اور بھائی کا سر شوہر کے دھڑ سے، فقیر نے دعا کی وہ دونوں زندہ ہوگئے، اب وہ عورت کس کے پاس رہے، میں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ بھلا یہ بھی کوئی سوال ہے جس کے سر نہ پاؤں اس کا طرز بتلا رہا ہے کہ کسی نے فرصت میں بیٹھ کر گھڑا ہے، علماء کو چاہیے کہ ایسی فرضی صورتوں کا جواب نہ دیا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ اول یہ سوال کرتے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے یا ویسے ہی سوال کرتے ہو اگر وہ یہ کہتا کہ واقعہ پیش آیا ہے تب جواب دیتے ورنہ دھمکا دیا کرتے تھے۔ آج کل بہت لوگوں کو یہ مرض ہے کہ فضول سوالات کیا کرتے ہیں حتی کہ خطوط میں بھی دنیوی امور

(۱) بیکار

کے متعلق ایسے سوالات ہوتے ہیں۔ تھانہ بھون میں ایک شخص ہیں ان کے ایک دوست کی عادت تھی کہ وہ ہر خط میں بہت سے بے ہودہ سوالات کیا کرتے تھے، مثلاً یہ کہ غلہ کا بھاؤ کیا ہے، دال کا نرخ کیا ہے، بارش کیسی ہوئی، کھیتیاں کیسی ہیں اور اس کے بہت سے سوالات ہر خط میں ہوتے تھے، وہ بیچارے بعضی باتوں کا جواب دے دیتے اور بعضی باتوں کا جواب نہ دیتے تھے، اگلے خط میں وہ اس پر مواخذہ کرتے کہ تم نے میری بہت سی باتوں کا جواب نہیں دیا، اس کی کیا وجہ ہے جب وہ بے چارہ تنگ آ گیا تو اس نے بھی ایک خط میں سوا سو سوالات اسی قسم کے لکھے اس پر ان کا خط آیا کہ تم بڑے بیہودہ آدمی ہو، فضول سوالات کرتے ہو اس نے لکھا حضور ایسے ہی سوالات آپ کے ہوتے ہیں جن سے میں تنگ ہوا کرتا تھا میں نے آپ کو دکھلایا ہے کہ فضول باتوں سے کیسی تکلیف ہوتی ہے جب ان کی وہ عادت بدلی۔ سو واقعی ایسے لوگوں کا ایسا ہی علاج ہونا چاہیے جب کوئی تم سے ایک فضول سوال کرے تم اس سے دو سوال ویسے ہی کرو۔

فضول سوالات کے جواب میں حکیم الامت کا طرز عمل

مجھے تو اس سے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ لوگ خط میں لکھ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں کو سلام پہنچا دیجئے، بھلا خواہ مخواہ اپنے ایک دو پیسہ کی کفایت کے لیے دوسرے آدمی کو سلام پہنچانے کے لیے مزدور بنانا یہ کون سی آدمیت ہے اور خیر جہاں بے تکلفی ہو وہاں تو زیادہ مضائقہ نہیں مگر جس کو اپنا مربی بنایا جائے اس سے اپنا کام اس قسم کا لینا نری جہالت ہے، صوفیاء نے تصریح کی ہے کہ شیخ کے خط میں کسی کو سلام نہ لکھنا چاہیے۔ اسی طرح ایک مرتبہ جب بخار کا زور ہوا تو لوگ خطوط میں مجھ سے تھانہ بھون کی حالت دریافت کرتے تھے کہ وہاں بیماروں کا کیا حال ہے میں اس کے جواب میں یہ شعر لکھ دیا کرتا تھا۔

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس(۱)

اور واقعی مجھے بسا اوقات شہر کی حالت معلوم بھی نہیں ہوتی تھی نہ میں اس کی

(۱) ”ہم نے سکندر و دارا کے قصے نہیں پڑھے، ہم سے سوائے مہر و وفا کے قصوں کے اور کوئی بات مت پوچھو“

تحقیق کرتا ہوں کہ آج کتنی موتیں ہوئیں، بعض لوگوں کو بیماری میں بھی مشغلہ ہوتا ہے کہ اموات کی شمار(۱) معلوم کرتے پھرتے ہیں اور مجلسوں میں بجائے خوف الٰہی کے تذکرہ کے یہی تذکرہ ہوتا ہے کہ آج اتنی موتیں ہوئیں کل اتنی موتیں ہوئی تھیں۔ یہ بھی ایک لا یعنی مشغلہ ہے ایسے وقت میں انسان کو طاعات میں مشغول ہونا چاہیے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہیے نہ کہ دنیا بھر کے قصے لیے بیٹھیں اور بیماری کے تذکرہ کو مشغلہ بنالیں۔ اسی طرح بعض لوگ خطوط میں خوابیں بہت لکھا کرتے ہیں اور ان کی تعبیر دریافت کرتے ہیں، میں اس کے جواب میں اکثر یہ شعر لکھ دیتا ہوں:

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ زآفتاب گویم(۲)

اور یہ بھی لکھ دیتا ہوں کہ بیداری کا حال لکھو، اس کا جواب دوں گا، خوابوں سے کیا ہوتا ہے، ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ خط میں چند احوال بیداری کے لکھے جائیں اپنے امراض کی اصلاح دریافت کی جائے اور اگر کوئی عجیب خواب ہوا تو اس کا تذکرہ بھی کردیا باقی سارے خط کا یہی حاصل ہونا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے وہ خواب دیکھا ہے یہ مجھ کو پسند نہیں اسی لیے میں خوابوں کی تعبیر بہت کم دیا کرتا ہوں، یہ تو فضول باتوں کا بیان تھا، لا یعنی افعال(۳) کی تفصیل یہ ہے کہ بعض لوگ بلاوجہ فضول کاموں میں مشغول ہوتے ہیں، مثلاً ناول دیکھنا چھوٹے موٹے قصوں کا مطالعہ کرنا اس سے بے فائدہ وقت ضائع ہوتا ہے اس میں نہ کچھ دنیا کا نفع ہے نہ دین اس لیے کتابیں وہ دیکھنی چاہئیں جو دنیا یا دین کے لیے نافع ہوں۔

اہتمام اصلاح

بعض لوگوں کو اپنی اصلاح کا اہتمام نہیں ہوتا ہے دوسروں کے کاموں میں لگے رہتے ہیں کسی نے جو فرمائش کردی اس کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں سو یاد رکھو کہ خدمت خلائق اگرچہ بہت اچھی چیز ہے مگر ہر کام کا ایک درجہ ہے سب سے مقدم

(۱) مرنے والوں کی تعداد (۲) ”نہ شب ہوں نہ شب پرست کہ خواب کی تعبیر دوں، محبوب حقیقی کا غلام ہوں ان ہی کی باتیں بیان کرتا ہوں“ (۳) فضول کاموں کی تفضیل

انسان کے لیے اپنی اصلاح ہے اپنے کام سے جو وقت بچے اس میں مخلوق کی خدمت کا مضائقہ نہیں مگر اپنی حالت کی خبر نہ لینا اور دوسرے ہی کے کاموں میں سارا وقت گنوا دینا یہ خدمت کا ہیضہ ہے اس لیے الاھم فالاھم(۱) پر عمل کرنا چاہیے، بعض لوگوں کی یہ عادت کہ جہاں کوئی ان سے ملنے آ گیا بس اسی کو لیے بیٹھتے ہیں۔ اس کی خاطر مدارت میں اپنے ضروری کاموں کا حرج کر دیتے ہیں ایسے لوگ ہمیشہ بے انتظام رہتے ہیں ان کا کوئی معمول پابندی سے ادا نہیں ہوتا، خاطر مدارت کے لیے دس پندرہ منٹ کافی ہیں اس کے بعد اپنے کاموں میں لگ جانا چاہیے۔ اگر انسان میں انتظام کا سلیقہ ہو تو اس کو یہ باتیں خود بخود محسوس ہونے لگتی ہیں کہ کون سا کام مقدم ہے کون سا مؤخر ہے کسی کی زیادہ ضرورت کس کی نہیں، اس لیے اپنے افعال کی نگہداشت لازمی ہے اس پر عمل کرنے سے سارے معمولات بخوبی ادا ہوتے رہیں گے۔

فضول اموال کی فکر

لایعنی اموال(۲) کی یہ صورت ہے کہ بعض لوگ ضرورت سے زیادہ مال حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک ذریعہ معاش تجارت کا اس قدر موجود ہے جس سے گزر خاصی طرح ہو رہا ہے مگر زیادہ مال کی حرص ہے اس لیے بڑے پیمانہ کا کارخانہ جاری کرنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری عمر تحصیل مال ہی میں کٹ جاتی ہے، خدا کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق نہیں ہوتی پھر غضب یہ کہ بڑا کارخانہ اگر ذاتی رقم سے کھولا ہے اس کا بھی چنداں مضائقہ نہیں بعض لوگ بلاوجہ قرض لے کر کارخانہ کھولتے ہیں اس میں جس قدر دقتیں اور پریشانیاں پیش آتی ہیں ان کا اندازہ وہ خود کر سکتے ہیں، بلاوجہ بلاضرورت قرض لینے کی بھی شریعت نے ممانعت کی ہے۔

فضول کاموں سے احتراز

بعض لوگوں کو دوسروں کی امانتیں رکھنے کا شوق ہوا کرتا ہے کہ جس نے امانت رکھوائی اٹھا کر رکھ لی، بعض دفعہ اگر امانت ضائع ہو جاتی ہے تو اس شخص کو سخت پریشانی

(۱) ضروری کام پہلے کرے (۲) فضول مال جمع کرنے کی فکر

ہوتی ہے اگر ضمان نہ دے تو طبیعت نہیں مانتی، دوسرے شخص سے ندامت ہوتی ہے اور اگر ضمان دے تو اپنے دل پر گراں ہوتی ہے اتنی رقم میری بے فائدہ خرچ ہورہی ہے اس لیے ہر شخص کو دوسروں کی امانتیں نہ رکھنی چاہئیں ہاں اگر کوئی بڑا منظم ہو اور لوگوں کو اس پر ایسا اعتماد ہو کہ اگر وہ یہ کہہ دے کہ امانت ضائع ہوگئی ہے تو کسی کو اس پر خیانت کا وسوسہ بھی نہ آئے۔ ایسا شخص امانت رکھے تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ امانت کی وجہ سے اس کو پریشانی لاحق نہ ہو ورنہ انسان کو ایسا کام ہرگز نہ کرنا چاہیے جس سے جمعیت قلب فوت ہو، غرض بے فائدہ باتیں فضول کام اور بے ضرورت مال کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے ہر قسم کے لایعنی امور(۱) سے احتراز کرنا چاہیے پھر دیکھئے دل میں کیسا نور اور اطمینان اور سکون رہے گا۔ اس دولت کے سامنے سلطنت بھی ہیچ معلوم ہوگی کیونکہ اصل راحت اسی کا نام ہے کہ دل کو چین وسکون ہو، بعض لوگ ایسے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں جن کا انجام ان کی قدرت سے باہر ہے۔ اس کا نتیجہ بجز پریشانی کے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ آج کل اس کا مشاہدہ ہورہا ہے خلاصہ یہ کہ اس وقت مشائخ وغیرہ مشائخ علماء وعوام سب ہی اس مرض میں مبتلا ہیں لایعنی امور سے احتراز نہیں کرتے اور اس وجہ سے دنیا ودین دونوں کا نقصان ہورہا ہے۔

عورتوں کی عادت

بالخصوص یہ عورتیں کہ ان کو رات دن زیور اور کپڑے کے تذکرہ سے سوا اور کوئی کام ہی نہیں، پھر مصیبت یہ ہے کہ جس کے پاس زیور نہ ہو وہ تو دوسروں کے زیور کا ذکر کرتی رہتی ہیں اور جس کے پاس ہو وہ بھی چین سے نہیں بیٹھتیں۔ اس کو اس کی تلاش رہتی ہے کہ اگر کسی کے پاس میرے زیور سے اچھا نمونہ ہو تو میں بھی اس کو تڑوا کر ویسا ہی بنواؤں چنانچہ جہاں کسی کا زیور پسند آیا اور اپنا زیور ان کے دل سے اترا اور انہوں نے فوراً فرمائش کی کہ اس کو تڑوا کر ویسا ہی بنایا جائے اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ ابھی ابھی

(۱) بیکار کام

اس کی بنوائی میں اتنے روپے گئے ہیں تڑوانے سے وہ سب لاگت ضائع ہوجائے گی اور دوسری لاگت الگ دینی پڑے گی مگر ان کی بلا پروا کرے جانتی ہیں شوہر کماوے گی اور لاوے گا ہم کیوں فکر کریں، بس ان کی تو اپنی فرمائش پوری ہونی چاہیے، شوہر کے ذمہ چاہے کتنا ہی ہوجائے کپڑوں کی جمع کرنے کی بھرمار ہوتی ہے کہ صندوق بھرا ہوا ہے مگر کیا ممکن ہے کہ بزاز (۱) ان کے گھر کے سامنے سے خالی گزر جائے، عرض عورتوں کے اقوال وافعال واموال تو سراسر لایعنی ہیں (۲) ان کی فہرست گنانا تو گویا محال ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم (۲)

خیر یہ مضمون تو ظاہر تھا جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اب میں ایک بات مختصر طور پر ایسی بیان کرنا چاہتا ہوں جو ذرا باریک بات ہے جس کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔

اتباع شیخ

وہ یہ کہ بعض اوقات مشائخ طریق مریدین کو ایسے امور (۳) کا حکم دیتے ہیں جو بظاہر لایعنی (۴) معلوم ہوتے ہیں جس سے ظاہر بین کو شبہ (۵) ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے خلاف کررہے ہیں تو اس کی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے پھر اس کے ساتھ جبکہ یہ بھی تاکید کی جاتی ہے کہ شیخ کی اطاعت کامل طور پر بجالائیں تو یہ اشکال اور قوی ہوجاتا ہے۔ سو اول سمجھنا چاہیے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ خلاف شریعت بھی اگر وہ امر کرے تو اطاعت کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب وہ خلاف شرع نہ کرے بلکہ شریعت کے موافق حکم کرے اس میں اس کی اطاعت بجالاویں لیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شیخ شریعت کے موافق امر (۶) کرتا ہے مگر مرید اس کو کم فہمی سے خلاف شرع سمجھ جاتا ہے اس لیے اس کا معیار یہ ہے کہ بیعت ہونے سے پہلے ہی اس کی حالت کا تجربہ کرلیا جائے جب تجربہ سے اس کا متقی اور کامل دیندار ہونا ثابت ہوجائے اور جتنی شرائط شیخ

(۱) کپڑا بیچنے والا (۲) سب کے سب بیکار ہیں (۳) ''تمام جسم پر داغ ہی داغ ہیں پھایہ کہاں کہاں رکھا جائے'' (۴) ایسے کاموں کا (۵) فضول (۶) ظاہری نظر میں (۷) حکم

کامل کی ہیں وہ سب اس کے اندر معلوم ہوجائیں اس کے بعد بیعت ہوں پھر اس کے حکم میں پس وپیش نہ کریں کیونکہ شیخ کامل ہرگز شریعت کے خلاف امر نہیں کرسکتا اور جو خلاف شرع امر کرے وہ شیخ کامل نہ ہوگا البتہ اگر اس کا موافق شرع ہونا سمجھ میں نہ آوے تو ادب کے ساتھ شیخ سے تحقیق کرلینا ضروری ہے اگر وہ نہ سمجھا سکا تو ادب کے ساتھ عذر کردے مگر گستاخی وسرتابی نہ کرے لیکن اگر بکثرت ایسا ہونے لگے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ کامل نہیں ہے لطف کے ساتھ اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔

شیخ کے مباحات سے منع کرنے کی وجہ

اس تمہید کے بعد اب سمجھئے کہ بعض دفعہ شیخ کامل بعض مریدوں کو کسی اطاعت غیر واجبہ(۱) سے روک دیتا ہے مثلاً حکم دے دیا کہ تمام نوافل اور ذکرواذکار یک لخت موقوف کردو حالانکہ ان کا ترک لایعنی ہے اور بعض دفعہ بعض مباحات میں مشغول ہونے کا حکم دیتا ہے کہ خوب کھاؤ، پیو، ہنسو، بولو، جنگل کی سیر کرو، تفریح طبائع کے لیے سفر کرو حالانکہ بظاہر یہ امور لایعنی ہوتے ہیں تو اس سے کم فہموں کو غلطی پیش آسکتی ہے کہ یہ عجیب شیخ ہے جو لایعنی امور کا حکم دیتا ہے اور مایعنی (۲) سے یعنی مفید کاموں سے منع کرتا ہے سو خوب سمجھ لو اس میں شیخ کی غلطی نہیں بلکہ تمہارے فہم کا قصور ہے(۳) اس کا راز یہ ہے کہ وہ اطاعت جو فی نفسہ مایعنی ہے(۴) اس مریض کے حق میں مایعنی نہیں ہے(۵) بلکہ کسی عارض کی وجہ سے مضر(۶) ہورہی ہے اس لیے وہ اس کو ان خاص طاعات سے منع کررہا ہے۔ مثلاً شیخ دیکھتا ہے کہ اس مریض کو زیادہ نوافل اور ذکروشغل کرنے سے عجب(۷) پیدا ہوگیا ہے یہ اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگا ہے اس لیے وہ اس کو اذکار واشغال سے منع کردیتا ہے جیسے طبیب مریض کو کسی حلوے سے روک دیتا ہے حالانکہ اس میں میوہ جات پڑے ہوئے ہوتے ہیں مفرحات(۸) بھی اس میں موجود ہیں

(۱) غیر واجب عبادت سے (۲) فضول باتوں کا حکم دیتا ہے اور مفید کام جو مطلوب ہیں ان سے روکتا ہے (۳) تمہاری سمجھ میں نہیں آیا (۴) اپنی ذات میں مفید ہے (۵) اس کے حق میں مفید نہیں (۶) نقصان دہ ہورہی ہے (۷) تکبر (۸) دل کو فرحت پہنچانے والی اشیاء۔

لیکن مریض کا معدہ کمزور ہے وہ اس کو ہضم نہیں کرسکتا، پس طبیب اس کو حلوے سے روک دیتا ہے اور کڑوی دوا پلاتا ہے کہ اس کے لیے کڑوی دوا ہی مفید ہے اسی طرح طاعات واذکار اگرچہ شیریں ہیں مگر بعض دفعہ ذاکر کا مزاج اس کا متحمل نہیں ہوتا بلکہ امراض کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے اس کو اذکار سے منع کر کے بعض مباحات میں مشغول کیا جاتا ہے اس وقت طالب کو شیخ کا اتباع کرنا چاہیے اور ہمہ تن اپنے کو اس کے سپرد کردینا چاہیے کہ وہ اس میں جو چاہے تصرف کرے اس کو مولانا فرماتے ہیں:

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو(۱)
چون گزیدی پیر میں تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
صبر کن درکار خضر اے بے نفاق تانگوید خضر رو ہذا فراق
گر خضر در بحر کشتی را شکست صد درستی در شکست خضر ہست
آں پسر راکش خضر ببرید حلق سرآں را در نیابد عام خلق(۲)

حج نفلی کا حکم

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص حج کے واسطے شیخ سے اجازت لینے آیا مگر اس پر حج فرض نہیں یا فرض کو وہ ادا کرچکا ہے اب حج نفل کے لیے اجازت چاہتا ہے لیکن شیخ نے اس کو منع کردیا ہے اس پر بعض لوگ متوحش (۳) ہوتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو حج جیسی طاعت سے منع کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ حج سے منع نہیں

(۱) ''قال کو چھوڑو حال پیدا کرو، حال پیدا کرنے کے لیے فرد کامل کے قدموں میں پڑجاؤ'' (۲) ''جب تم پیر بنالو تو یاد رکھو کہ ہمہ تن تسلیم بن جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح زیر حکم حضرت خضر علیہ السلام چلنا یعنی مرشد کے افعال پر صبر وسکوت کرنا تاکہ خضر علیہ السلام یوں نہ کہہ دیں کہ جاؤ ہماری تمہاری جدائی ہے، اگر حضرت خضر علیہ السلام نے دریا میں کشتی کو توڑا تھا مگر واقع میں خضر علیہ السلام کے توڑنے میں سو درستی یعنی حفاظت تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو قتل کرڈالا تھا اس کا راز عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتا'' (۳) پریشان ہوئے۔

کرتا بلکہ تم کو معصیت اور کفر (۱) سے بچانا چاہتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ تم کمزور ہمت والے ہو صعوبت (۲) سفر اور مشقت طریق کا تحمل (۶) تم نہیں کر سکتے ایسی حالت میں اگر تم حج کرنے گئے تو اندیشہ ہے کہ ایک حج کے لیے پچاس نمازیں قضا کرو گے اور اگر زیادہ مشقت پیش آئی تو یہ بھی اندیشہ ہے کہ تم کو حج ہی سے نفرت ہو جائے اور خدا کی طرف سے دل میں شکایت پیدا ہو جائے گی تو اس صورت میں حج کا ثواب تو کیا ملتا ایمان بھی مکہ ہی میں رہ جاتا اور فرض ادا ہی ہو چکا تھا تو خواہ مخواہ نفل کام کے لیے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا یا کم از کم معاصی میں مبتلا ہونا کون سی عقل مندی ہے اس لیے وہ شیخ کامل ایسے شخص کے لیے یوں کہتا ہے:

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق درین جاست بیائید بیائید (۳)

البتہ جس پر حج فرض ہو اس کو چلا جانا چاہیے اور مشقت سفر کے لیے دل کو یہ مضمون سمجھائے۔

اے دل آن بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی
در رہ منزل لیلیٰ کہ خطر ہاست بجان شرط اول قدم آنس کہ مجنوں باشی (۴)

بات یہ ہے کہ حج میں تکلیف و مشقت اسی کو معلوم ہوتی ہے جس کو محبت نہ ہو ورنہ اہل محبت کو تو وہاں کی ہر کلفت کا لطف آتا ہے۔ آخر محبوبان مجازی کے وصال میں عشاق کیسی کیسی کلفتیں برداشت کرتے ہیں پھر کیا ان کو ان کلفتوں سے کچھ پریشانی ہوتی ہے ہرگز نہیں پس جس پر حج فرض ہو وہ اپنے دل کو یہ باتیں سمجھائے کہ عشاق ایک ادنیٰ

---

(۱) گناہ اور کفر سے بچانا چاہتا ہے (۲) سفر کی مشکلات (۳) راستہ کی مشکلات برداشت نہیں کر سکتے (۱) ''اے لوگو! حج کے لیے کہاں جاتے ہو محبوب یہیں ہے ادھر آؤ، ادھر آؤ'' (۲) ''اے دل یہی بہتر ہے کہ عشق الٰہی میں مٹ جا، بے زر و مال کے حشمت اور دبدبہ میں قارون (دنیا داروں سے بہت بڑھ جا، لیلیٰ (مراد محبوب حقیقی) کے راستہ میں جان کو سینکڑوں خطرات ہیں اس راہ میں قدم رکھنے کی اول شرط یہ ہے کہ مجنوں بن جاؤ''۔

سے محبوب کے لیے ہزاروں مشقتیں جھیلتے ہیں پھر تعجب ہے کہ میں محبوب حقیقی کے دربار میں پہنچنے سے ذرا سی کلفت کی وجہ سے رک جاؤں، اسی طرح دنیوی مقدمات کی کامیابی کے لیے اہل دنیا نہ گرمی کی پروا کرتے ہیں نہ سردی کی نہ بھوک کی پروا کرتے ہیں نہ پیاس۔ پھر حیرت ہے کہ میں مقدمہ آخرت کی کامیابی کے لیے ذرا سی تکلیف برداشت نہ کروں مجھے ہمت کر کے ضرور جانا چاہیے البتہ جس پر حج فرض نہ ہو یا وہ فرض ادا کر چکا ہے اس کو اگر شیخ منع کر دے تو اس سے یہی کہا جائے گا۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید(۱)

اس کے لیے اس صورت میں حج سے زیادہ نفع صحبت شیخ میں ہوگا یہاں مرید کو شیخ کے ہاتھ میں اپنے آپ کو تسلیم کر دینا چاہیے۔

طریق تسلیم وتفویض

اس طریق میں تسلیم وتفویض(۱) بہت ضروری ہے بدون اس کے کام نہیں چل سکتا بشرطیکہ شیخ کوئی گناہ نہ کروائے، ہاں مباحات ومستحبات اس کی قلمرو ہیں(۲) ان میں وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اسے اختیار ہے اگر وہ کسی مستحب کام سے روک دے تو اس میں اس کی اطاعت لازم ہے کیونکہ وہ تم کو ایک مستحب سے روک کر اس سے افضل اور ضروری کام میں لگائے گا۔ اس راستہ میں نفس وشیطان کے مکائد بہت دقیق ہوتے ہیں(۳) بعض دفعہ شیطان ایک مستحب کام کی رغبت دلاتا ہے مگر اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس میں مشغول ہو کر دوسرے اہم اور ضروری کام سے یہ رہ جائے گناہ کی رغبت تو سالک کو وہ اس لیے نہیں دلاتا کہ جانتا ہے کہ گناہ کا وسوسہ ڈالنے سے یہ فوراً سمجھ جائے گا کہ وسوسہ شیطانی ہے اور مستحب کام کی رغبت کو شیطانی وسوسہ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا

(۱) ''اے لوگو! حج کے لیے کہاں جاتے ہو محبوب یہیں ہے ادھر آؤ، ادھر آؤ'' (۱) اپنے کو شیخ کے سپرد کر کے اس کے حکم کے مطابق عمل ضروری ہے (۲) جائز اور مستحب کاموں میں اس کے کہنے پر عمل کرے (۳) شیطان ونفس کی مکاریاں بہت باریک ہیں۔

بلکہ ناواقف تو اس کو الہام رحمانی سمجھنے لگتا ہے مگر شیخ کامل سمجھ لیتا ہے کہ بعض دفعہ شیطان بھی مستحب کام کی رغبت دلایا کرتا ہے نہ اس لیے کہ وہ مستحبات سے خوش ہے یا سالک کا مستحبات میں مشغول ہونا اس کو پسند ہے بلکہ محض اس لیے کہ ایک ادنیٰ مستحب ہے اس کو مشغول کر کے اعلیٰ اور اہم کام سے روک دے چنانچہ ایک بار ایک طالب کے قلب پر تقاضا ہوا کہ فلاں جگہ چلو وہاں قتال ہو رہا ہے وہاں چل کر خدا کے راستہ میں جان دینا چاہیے وہ بے چارہ اس وقت تک خلوت نشین تھا، ذکر و شغل و مجاہدات میں مشغول تھا کہ دفعۃً ایک دن جہاد کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا اب اس خطرہ کو شیطانی وسوسہ کوئی کہہ سکتا تھا، ظاہر میں تو بہت اچھا تھا مگر وہ شخص چونکہ سچا طالب تھا اس لیے حق تعالیٰ نے دستگیری کی کہ اس نے اس خطرہ پر عمل نہیں کیا بلکہ حق تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھ کو اس خطرہ کی حقیقت سے مطلع کر دیا جائے۔ آخر الحاح وزاری کے بعد حقیقت منکشف ہوئی (۱) کہ یہ خطرہ نفسانی ہے تمہارا نفس مجاہدات سے پریشان ہو گیا ہے اس لیے وہ تم کو جہاد کی رغبت دلاتا ہے کہ اس میں ایک دم سے خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ روز کی مصیبت تو نہ رہے گی تو آپ نے نفس کی چال دیکھی وہ ان کو فرض سے فرض کفایہ میں مشغول کرنا چاہتا تھا کیونکہ جہاد کرنے والے اور بہت مسلمان موجود تھے ان کے ذمے فرض عین نہ تھا اور اصلاح نفس فرض عین ہے اور اس کی منشاء راحت طلبی تھی وہ چاہتا تھا کہ بس جہاد میں جا کر ایک دم سے فیصلہ ہو جائے یہ روز روز کی مشقت اور چکی پیسنا ختم ہو جائے۔ پس نفس و شیطان کے ان مکائد کو شیخ پہچان لیتا ہے اس لیے بعض دفعہ وہ مستحبات سے روک دیتا ہے جس سے اہل ظاہر متوحش ہوتے ہیں (۲) کیونکہ وہ حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ میرے ایک دوست نے ذکر و شغل بہت زیادہ کیا، دفعۃً ان کو شدید قبض طاری (۳) ہوا انہوں نے مجھے اطلاع کی

(۱) رونے دھونے اور دعا کرنے کے بعد اس پر حقیقت کھل گئی (۲) پریشان (۳) واردات کا انقطاع جو کسی مصلحت سے ہونا قبض کہلاتا ہے محبوب کی تجلی جلالی یعنی آثار عظمت واستغناء کے فی الحال وارد ہونے سے دل گیر ہونا قبض کہلاتا ہے قبض کے مقابل حالت بسط ہے یعنی آثار لطف وفضل کے ورود سے قلب کو سرور فرحت ہونا۔

میں نے کہا کہ سب کام چھوڑ دو اور خوب کھاؤ پیو، ہنسو، بولو، سیر وتفریح میں مشغول ہو اور لکھنؤ جا کر سیر کرو یا کسی دوسری جگہ کا سفر کرو اس علاج سے ان کو بہت وحشت ہوئی کہ ذکر وشغل چھڑا کر اچھا کام بتلایا مگر باوجود حقیقت سمجھ میں نہ آنے کے انہوں نے اس پر عمل کیا، تین چار دن میں بسط قوی حاصل ہو گیا اور سارا قبض جاتا رہا، بڑے خوش ہوئے تو یہ بات تھی کہ کثرت مجاہدات سے نفس تھک گیا تھا جیسے بعض دفعہ روز روز مٹھائی کھانے سے جی اکتا جاتا ہے اس لیے تبدیل ذائقہ کی ضرورت تھی جیسے جب غذا ہضم نہ ہو تو کھانے کے ساتھ چٹنی کھالیا کرتے ہیں چنانچہ جب نفس کو مجاہدات سے چھڑا کر سیر وتفریح میں مشغول کیا گیا ذائقہ بدل گیا تو وہ انقباض بھی جاتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راز کو خوب سمجھا ہے اسی لیے حدیث میں ہے جب رات کو نماز پڑھتے پڑھتے نیند آنے لگے تو سو جاؤ پھر اٹھ کر کام کرنے لگو۔ ''ولن یمل اللّٰہ حتی تملوا'' ہمارے حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سبق کا تکرار ایسے وقت ختم کرنا چاہیے جبکہ شوق ختم نہ ہو جائے مثلاً بارہ دفعہ کہنے کا شوق ہو تو دس باری کہہ کر ختم کر دو تاکہ آئندہ کے لیے شوق باقی رہے اس سے اکتا کر ختم نہ کرنا چاہیے۔ اس سے آئندہ کو ہمت ہار جاتی ہے اور اس کی ایک عجیب مثال بیان فرمائی۔ گویا معقول کو محسوس کر دیا فرمایا دیکھو چلتی پھراتے ہوئے کچھ ڈور اس کے اوپر لپٹا ہوا چھوڑ دیتے ہیں تاکہ اس ڈورے پر آسانی سے پھر لوٹ آوے اور اگر کبھی غلطی سے سارا ڈورا اتر جاتا ہے پھر دقت سے لوٹتی ہے۔ غرض اسی طرح اور بہت نظیریں ہیں جن میں شیخ مستحبات سے روک کر مباحات میں مشغول کرتا ہے مگر وہ مباحات ہی مالیعنی ہیں اور مستحبات اس شخص کے لیے لایعنی ہوتے ہیں باقی اس کے لیے

عدم مہارت فن

تو عدم مہارت فن کے سبب وہی قصہ ہوگا کہ ایک حکیم صاحب اپنے صاحبزادہ کو ساتھ لے کر ایک مریض کو دیکھنے گئے نبض دیکھ کر کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے آج آپ نے نارنگی کھائی ہے، مریض نے اقرار کیا، لوٹتے ہوئے صاحبزادہ نے دریافت کیا کہ

آپ کو نبض سے یہ کیوں کر پتہ چل گیا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے۔ حکیم صاحب نے کہا نبض سے تو کچھ اتنا معلوم ہوا تھا کہ اس نے کوئی چیز قاطع صفرا(۱) استعمال کی ہے پھر مجھے پلنگ کے نیچے سے نارنگی کے چھلکے نظر آئے، تو میں سمجھ گیا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے بس اب صاحبزادہ کہاں تھے بڑے خوش ہوئے کہ ہم کو آج بڑا مسئلہ معلوم ہوا جب حکیم صاحب مر گئے اور صاحبزادہ کا دور دورہ ہوا تو کسی مریض کے یہاں بلائے گئے آپ کو تو وہ مسئلہ یاد ہی تھا، نبض دیکھ کر چارپائی کے نیچے نظر کی تو ایک نمدہ(۲) پڑا ہوا دیکھا، کہنے لگے کہ آپ نے آج نمدہ کھایا ہے لوگ اس پر ہنسنے لگے بیمار نے کہا بھلا نمدہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے جو میں کھالیتا تو آپ کہنے لگے کہ نبض سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آج نمدہ کھایا ہے اس نے ملازمتوں سے کہا کہ اس جاہل کو نکالو۔ اس کی دم میں نمدہ(۳)، اسی طرح اناڑی آدمی کو اگر یہ قواعد بتائے جائیں گے وہ بھی ایک قاعدہ یاد کر کے سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے گا، باقی محققین نے اس کے لیے اصول وقواعد بیان کئے ہیں اور محقق ان کو سمجھ کر استعمال بھی کرتا ہے اگرچہ ایسے لوگوں پر عوام نے طعن بھی بہت کئے ہیں مگر مشائخ پر طعن نہیں ہوسکتا وہ جو کچھ کرتے ہیں حقیقت سمجھ کر کرتے ہیں۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ جب ذکر سے طبیعت اکتا جائے تو اس ذاکر پر تھوڑی دیر ہنسنا بولنا بھی واجب ہے لوگوں نے اس مسئلہ کی وجہ سے امام پر بہت طعن کیا کہ دیکھو ہنسنے بولنے کو واجب کر دیا مگر محقّق کا کلام محقّق ہوتا ہے اس کا راز یہ تھا کہ اصل میں تو عمل واجب ہے اور بعض طبائع کی خصوصیت سے عمل موقوف ہوتا ہے۔ نشاط پر نشاط ہوتا ہے ہنسنے بولنے سے اور یہ مسلم ہے کہ مقدمۃ الواجب واجب (۱) پس اس میں کیا اشکال رہا۔ یہ مضمون طویل ہے لیکن وقت تنگ ہوگیا ہے اس لیے میں بیان کو ختم کرتا ہوں اور حدیث کا خلاصہ پھر بیان کیے دیتا ہوں کیونکہ خلاصہ بیان کر دینے سے مقصود محفوظ ہوجاتا ہے۔ حاصل اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ فضول اور لغو باتیں اور کام چھوڑ دو اور

(۱) صفرا کو ختم کرنے والی (۲) اونی کپڑا جو گھوڑے کی پشت پر زین کے نیچے ڈالتے ہیں (۳) اس کو سزا دو

فضول اسے کہتے ہیں جس کے چھوڑنے سے نہ دنیا کا ضرر ہو(۲) نہ آخرت کا اور اس کے کرنے میں نہ دنیا کا نفع ہو نہ آخرت کا، اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق دیں۔ آمین۔ (۳)

وصلی اللّٰہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین

---

(۱) فعل واجب جس کام پر موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے (۲) نقصان (۳) اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں آمین

خلیل احمد تھانوی
۴/۳/۰۲۰۲

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاھور

۱۔ رئیس الجامعہ حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب دامت برکاتہم گذشتہ کئی روز سے علیل ہیں، چند روز انتہائی کمزوری و نقاہت کے سبب صاحب فراش رہے جس کے اثرات اب تک باقی ہیں۔ کامل صحت کے لئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔اسی طرح جامعہ کے شیخ الحدیث و نائب رئیس حضرت ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی دامت برکاتہم بھی کمزوری و کمر درد کا شکار ہیں ان کے لئے بھی خصوصی طور پر دعائے صحت کا اہتمام کریں۔ اللہ رب العزت ہمارے اکابر کا سایہ تادیر صحت وسلامتی کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم ودائم فرمائے۔آمین

۲۔ گذشتہ کئی روز سے کرونا میں مبتلا افراد کی خبریں سامنے آرہی ہیں، اللہ تعالی ہم سب کو اس وبائی مرض سے محفوظ فرمائے اور جو لوگ اس کی گرفت میں آئے ہیں ان سب کو صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ نصیب فرمائے۔اور جو اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں ان کی مغفرت فرمائے ااور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین

۳۔ امسال جامعہ میں نئے داخلے صرف غیر امدادی نوعیت کے ہونگے، امدادی داخلے صرف قدیم طلباء کے ہی کئے جائیں گے۔جامعہ میں قدیم طلباء کے داخلے کی تجدید شروع کردی گئی ہے، بذریعہ ٹیلی فون طلباء اپنا داخلہ کروا سکتے ہیں۔البتہ اسباق کی ابتداء کا اعلان تاحال نہیں کیا گیا ہے،طلباء سے درخواست ہے کہ جامعہ سے ٹیلی فونک رابطہ قائم رکھیں ان کو اسباق کی ابتداء سے جلد آگاہ کردیا جائے گا۔